(افسانوی مجموعہ)

اور شمع جلتی رہی

فیروز ملک بلرامپوری

نام کتاب : ''اور شمع جلتی رہی''

نام مصنف و ناشر : فیروز ملک

مصنف کا پتہ : 105/224 B، چمن گنج، کانپور

طباعت : نعمانی پرنٹنگ پریس، بارود خانہ، گولہ گنج لکھنؤ

صفحات : 192

قیمت : -/200

سنِ اشاعت : ۲۰۱۵ء

تعداد : ۴۰۰

قیمت : -/Rs.150

کتاب ملنے کے پتے: (۱) شمشاد صاحب، جبلی بک سینٹر، چمن گنج، کانپور (یوپی)

(۲) جاوید میاں طیب، چمن گنج، (فرید آباد)

Address :

Firoz Malik

105/224 B, Chaman Ganj, Kanpur (U.P.)

Mobile : 09935014027

I.S.B.N. 978-81-924738-8-8

انتساب

میری بڑی بہو

سمن پرویز ملک (ٹیچر)

مسلم جبلی گرلس انٹر کالج، چمن گنج، کانپور (یوپی)

Saman Pervaiz Malik

(Teacher)

Muslim Jublee Girls Inter College

Chaman Ganj, Kanpur (U.P.)

کے نام ممنون کرتا ہوں۔

یہ کتاب
فخرالدین میموریل کمیٹی حکومت اتر پردیش لکھنؤ
کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی

ترتیب

☆☆☆

-

ڈاکٹر محمد ارشد (پی۔ایچ۔ڈی)

فیروز ملک اوران کا فن : ایک جائزہ

افسانہ اس نثری صنف کو کہتے ہیں جس میں اختصار کے ساتھ ساتھ جامعیت بھی ہو اور وہ کسی مخصوص مرکزی تاثر پر استوار ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ یا عکس پیش کرے، اس کی زبان پُرکشش ہو اور اندازِ بیان میں انتشار نہ ہو۔ایک مکمل و کامیاب افسانہ کے لیے نہایت اہم ہے کہ اس کا ماحول اور کردار، پلاٹ سے ہم آہنگ ہو۔زبان سادہ و عام فہم اور الفاظ معنی خیز ہوں۔ وحدت تاثر کو قائم رکھنے کے لیے تکرار خیالات سے گریز کیا جائے، مقصد کی بلندی، فنی چابکدستی اور کردار کی نفسیات سے گہری واقفیت ہو اور اس میں اتنی جاذبیت اور کشش ہو کہ قاری کہانی میں کھو جائے اور افسانے کے اثر انگیز اختتام تک اس کی دلچسپی، وابستگیِ اور تجسس برقرار رہے۔ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ جب افسانہ نگار، افسانے کے عام تشکیلی اجزاء میں توازن و اعتدال اور ہم آہنگی برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ لفظیات اور زبان و بیان پر قدرت رکھتا ہو اور انسانی نفسیات سے اس کی گہری واقفیت ہو۔

اردو میں صنفِ افسانہ کی دوسری اصناف کے مقابلے میں بہت کم عمر ہے۔تاریخی اعتبار سے اس کی شروعات بیسویں صدی کے آغاز میں پریم چند کے افسانہ ''دنیا کا سب سے انمول رتن'' ۱۹۰۷ء سے ہوئی۔ کسی صنفِ ادب کی بھرپور نشو و نما اور توسیع پذیری کے لیے یہ مدت کافی نہیں، تاہم اس قلیل مدت میں بھی مختصر افسانہ جس سرعت و سرگرمی سے باذوق اور سنجیدہ قارئین میں مقبولیت حاصل

کرتا گیا اور حالات کے تحت اپنے خالق کے نازک اور پیچیدہ تجربات کی مؤثر صورت گری کرتا رہا۔ اس سے اس کے پوشیدہ تخلیقی امکانات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اردو افسانہ کی عمر مختصر ضرور ہے لیکن اس نے اس چھوٹی سی عمر میں بہت سی ارتقائی منازل طے کی ہیں۔ اس دوران متعدد بلند پایہ افسانہ نگار سامنے آئے اور انہوں نے مختلف لازوال کہانیاں تخلیق کیں، جن میں پریم چند کے علاوہ سجاد حیدر یلدرم، اُوپیندر ناتھ اشک، سدرشن، سلطان حیدر جوش، اعظم کریوی، علی عباس حسینی، اختر حسین رائے پوری، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، اختر اورینوی، سہیل عظیم آبادی، قرۃ العین حیدر، شکیلہ اختر، اختر انصاری، مجنوں گورکھپوری، حیات اللہ انصاری، خواجہ احمد عباس، احمد ندیم قاسمی، بلونت سنگھ، عزیز احمد، ہنس راج رہبر، ممتاز مفتی اور محمد حسن عسکری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

پریم چند کے افسانے ''کفن'' میں قدیم روایت سے انحراف نظر آتا ہے۔ بعد ازاں سعادت حسن منٹو نے عام روش سے ہٹ کر افسانے تخلیق کئے۔ ان کا افسانہ ''پھندنے'' افسانہ نگاری کے سلسلے میں نیا تجربہ تھا جس میں پلاٹ کا روایتی تصور زائل ہو گیا۔ اس کے بعد قرۃ العین حیدر نے شعور کی رو سے کام لے کر افسانے کو ایک نئی جہت اور سمت و رفتار عطا کی۔ کچھ ہی عرصہ بعد اردو افسانہ نگاری میں متعدد تبدیلیاں رونما ہو گئیں۔ نئے افسانہ نگاروں کو پلاٹ کی ضرورت رہی اور نہ کردار کی، نہ وہ نقطہ نظر کے قائل رہے اور نہ وحدت تاثر کے، زبان بھی پہلے جیسی نہ رہی۔ ساتھ ہی علامتی اور تجریدی افسانہ وجود میں آیا جس سے اردو افسانے میں نئی معنویت اور تہہ داری پیدا ہوئی۔ اب افسانہ نگاروں کی وہ نسل سامنے آئی جن میں بعض ایسے بھی تھے جنہیں نہ افسانہ نگاری کے فن پر قابو تھا اور نہ ہی زبان و بیان پر، انہوں نے کچھ نیا کر دکھانے کی کوشش میں لایعنی افسانے تخلیق کئے۔ مگر اس طرح کے افسانہ نگاروں

کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی، جدت پسندی کے شوق میں جو کوتاہیاں اور کمزوریاں و خامیاں اردو کے جدید افسانوں میں راہ پا گئی تھیں وہ دور ہوئیں اور سنجیدہ افسانہ نگاروں کو یہ احساس ہوگیا کہ کہانی میں کہانی پن ہونا ضروری ہے۔ دور حاضر کے سنجیدہ اور کامیاب افسانہ نگاروں میں، جوگندر پال، انتظار حسین، سریندر پرکاش، رتن سنگھ، شرون کمار، سلام بن رزّاق، اقبال انصاری، نیر مسعود، شوکت حیات، سید محمد اشرف، طارق چھتاری، یامین سنبھلی، طاہر نقوی، ارشاد امروہوی، آشا پربھات اور ریاض دانش وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

شہر صنعت وحرفت اور گہوارۂ علم وادب، کانپور کے ادبی منظر نامہ میں متعدد اہم شعراء اور مختلف نثری اصناف میں اپنی تنقیدی وتخلیقی صلاحیتوں کا اظہار کرنے والے نثر نگاروں کے علاوہ افسانہ نگاری میں اپنے تخلیقی وفنی جوہر دکھانے والے افسانہ نگاروں میں ایک اہم اور معتبر نام فیروز ملک بلرامپوری کا بھی ہے۔ جنھوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار نہ صرف افسانہ نگاری کے ذریعہ کیا بلکہ وہ شعر کہنے اور شعر کو سمجھنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ میری اس بات کی تصدیق ان کے بیشتر افسانوں کے آخر میں دئے گئے اشعار وقطعات کے مطالعے سے بخوبی ہوسکتی ہے۔ حالانکہ اس تحریر میں فیروز ملک صاحب کی افسانہ نگاری کے حوالے سے ہی گفتگو مقصود ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر درمیان میں ان کی شخصیت کے تعلق سے ان کے چند اشعار پیش کر دیئے جائیں تو یہ معیوب نہیں۔ بہر حال فیروز ملک صاحب سے میری پہلی ملاقات محترم شاعر جاوید گونڈوی کے توسط سے ان کی قیام گاہ کے نیچے بنے ہوئے مارکیٹ میں ان کی دکان پر ہوئی، جو نہ صرف دکان بلکہ ادباء وشعراء اور دانشور حضرات کی باہمی ملاقات اور ادبی گفتگو کا مرکز بھی ہے۔ جہاں کبھی شاعر ناظم جناب شکیل حیدر تشریف فرما ہیں، جو اپنی شیریں ودلچسپ گفتگو

سے حاضرین کی سماعتوں کو حظ پہنچا رہے ہیں، تو شاعر جناب جمیل قدوائی اپنا مشق سخن جاری رکھے ہوئے ہیں اور درمیان میں اپنے خوبصورت اشعار بھی لوگوں کی سماعتوں کے حوالے کر دیتے ہیں، شاعر جناب ظہیر کانپوری سے میری ملاقات یہیں ہوئی۔ پہلی ملاقات میں فیروز بھائی کی شخصیت نے مجھے کئی زاویوں سے متاثر کیا۔ وہ نہ صرف ایک کامیاب اور زود گو افسانہ نگار ہیں بلکہ بہترین و نیک دل انسان اور خلوص و وفا کے پیکر بھی ہیں۔ محبت و انکساری ان کی سرشت میں شامل ہے۔ وہ خود کہتے ہیں۔ ؎

لمحہ لمحہ حیات دیتی ہے
ایک نئی کائنات دیتی ہے
خلوص اور یہ وفا فیروز
الجھنوں سے نجات دیتی ہے

پہلی ملاقات کے بعد گاہے گاہے ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا جس سے ان کی شخصیت کے نئے نئے گوشے سامنے آتے رہے۔ گفتگو اور ان کی تخلیقات کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی ذات واحد و لاشریک پر کامل بھروسہ رکھنے والے سچے عاشقِ رسول اور حضرت پنج تن پاک واہل بیت کے شیدائی ہیں نیز فرمانبردار و نیک اولاد، باوفا شوہر اور مشفق باپ نظر آتے ہیں۔ وہ نہایت مہمان نواز اور دوسروں کو عزت کی نظر سے دیکھنے والے شریف النفس انسان ہیں، ایثار و قربانی اور انسانی ہمدردی کا جذبہ ان کے دل میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ ؎

مال و دولت نہ یہ اولاد کی قیمت ہوگی
ہر غلط کام سے انسان کی ذلت ہوگی

جو بھی قرآن میں ہے بس وہ سچ ہے فیروزؔ
موت کے بعد بھی اعمال پہ جنت ہوگی

چھوڑ دیں جس نے بزرگوں کی کرم فرمائیاں
اس کی دنیا میں سدا ہوتی رہی رسوائیاں
جس نے بھی فیروز ہٹ دھرمی پہ رکھا ہے قدم
اس کو گھیرے میں لئے رہتی ہے بس رسوائیاں

پیشِ نظر افسانوی مجموعہ، فیروز ملک کے ان مختصر افسانوں پر مشتمل ہے جو اس سے قبل شائع اُن کی افسانوی تخلیقات یعنی ''ریت کا گھروندا'' اور ''قسمیں وعدے'' کے بعد معرض وجود میں آئے، جن کی ورق گردانی اور عمیق مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز ملک ایک کامیاب افسانہ نگار اور زود گو کہانی کار ہیں۔ ان کے تجربات ومشاہدات نہایت وسیع معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس سلسلے میں جناب شکیل حیدر کا خیال ہے کہ :

''فیروز ملک ایک ایسے افسانہ نگار ہیں جن کی معلومات کتابی نہیں ہے بلکہ اپنی ذہانت اور ذاتی تجربات کی بنا پر وہ آگے جانا چاہتے ہیں۔ ان کے افسانے دل اور دماغ کو مخاطب کرتے ہیں اور احساس اور فکر دونوں کو جھنجھوڑتے ہیں اور پیکر الفاظ میں روح پھونک دیتے ہیں''۔

(بحوالہ ''ظلمتِ شب میں امید کی کرن''، مشمولہ ''قسمیں وعدے''، ص۔۸، کانپور ۲۰۱۳ء)

فیروز ملک، خداداد تخلیقی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جب ہم ان کے افسانوں کا عمیق نگاہ سے مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی معلومات کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ کیسی کیسی اصطلاحوں اور ثقافتوں سے آگہی وواقفیت رکھتے ہیں۔ اسپتالوں کا کلچر، وہاں

کے لباسوں اور آلات کے نام، عدالتوں میں مستعمل لفظیات، وہاں کے لوگوں کی نفسیات سے آگہی، ان کا اندازِ گفتگو، فلمی دنیا اور ممبئی کی تہذیب، کرکٹ اور مختلف کھیلوں کی اصطلاحات، مختلف صنعتوں کے متعلق گہرا شعور، متعدد شہروں کی زندگی، وہاں کی جغرافیائی صورتِ حال، لوگوں کا رہن سہن، دیہات کی زندگی وہاں کے باشندوں کی ذہنیت اور روزمرہ کی گفتگو، کاشتکاری سے متعلق معلومات وغیرہ اس کا بین ثبوت ہے۔

فیروز ملک کے افسانوں کے موضوعات میں بڑا تنوع اور عمق ہے۔ احساس کی جو شدت اور صداقت ان کے افسانوں میں موجود ہے وہ ان کے تابناک مستقبل کی دلیل ہے۔ فیروز ملک نئے افسانہ نگار ضرور ہیں لیکن ان کے فن پر مسلسل نکھار جاری ہے۔ ان کے پہلے، دوسرے اور اب تیسرے افسانوی مجموعے کے مطالعے سے اس بات کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ امید ہے کہ ان کا یہ ارتقائی سفر جاری رہے گا اور وہ اردو کے کامیاب افسانہ نگاروں میں اپنی شناخت قائم کریں گے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنا منفرد اسلوب برقرار رکھیں۔

فیروز ملک نے مختلف طرح کے افسانے تحریر کئے ہیں کچھ ایسے بھی ہیں جو سماجی مسئلوں اور ٹوٹتے بکھرتے رشتوں اور تہذیبی شکست و ریخت کے اسباب و اثرات کو پیش کرتے ہیں اور کچھ اس قسم کے افسانے ہیں جن میں بعض افراد کے ذاتی احساسات و تجربات کی منظر کشی کی گئی ہے۔ لیکن ان میں اکثر افسانوں کا منفرد پہلو یہ ہے کہ ان میں غیر ضروری وضاحت و صراحت نہیں، افسانہ نگار تقریباً ہر جگہ اختصار کے ساتھ اپنی بات کہنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ بعض جگہ تو یہ احساس ہوتا ہے کہ کاش بات کچھ اور وضاحت کے ساتھ پیش کی جاتی۔ پیش نظر مجموعے میں شامل چند افسانوں کو چھوڑ کر زیادہ تر افسانے لطیف احساسات کو پیش کرتے ہیں۔ اس

سلسلے میں یوں تو کئی کہانیوں کے نام قابل ذکر ہیں لیکن مثال کے طور پر چند کہانیوں کے حوالے سے یہاں گفتگو پیش ہے۔ بعدازاں ان کی مجموعی فنی خصوصیات کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔

''غم کے بادلوں سے خوشی کی کرن'' اس افسانے کا مرکزی کردار شبینہ جو ایثار و قربانی کا پیکر ہے۔ توصیف کی فیکٹری میں کام کرتی ہے۔ جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ توصیف کو اپنی ماں کی زندگی بچانے کے لیے گردے کی ضرورت ہے تو شبینہ اپنا ایک گردہ بخوشی دے دیتی ہے نیز وہ اپنی آنکھ ایک انجان کو دان کر کے اس کی اندھیری زندگی کو روشن بنانے میں مدد کرتی ہے۔ اچانک ایک حادثہ میں اس کی موت ہو جاتی ہے۔ اس نے توصیف کے بارہا اصرار پر بھی اس سے اس لیے شادی نہیں کی کہ وہ خود کو توصیف کے لائق نہیں سمجھتی بلکہ توصیف سے یہ وعدہ ضرور لے لیتی ہے کہ وہ کسی اور لڑکی سے شادی کر کے اپنا گھر ضرور بسا لے۔ توصیف نے وعدے کے مطابق اپنے دل پر جبر کر کے شادی تو کر لی لیکن شبینہ کی یاد کو دل سے نہ مٹا سکا۔

''میں اور میری تنہائیاں'' اس کہانی کا مرکزی کردار زیبا ہے جو عمران کی محبت میں اپنا سب کچھ اسے سونپ دیتی ہے جن کا عمران ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے استعمال کر کے اسے چھوڑ دیتا ہے۔ آخر میں اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے لیکن حیات اس کے ساتھ وفا نہیں کرتی۔ زیبا کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور وہ والدین کے فیصلے اور ان کی شفقت و محبت کا احساس کرتی ہے اور ان کے نظریات کی دل سے قائل ہو جاتی ہے۔

''قدرت کا کھیل'' افسانہ تین کرداروں کے درمیان کشمکش پیش کرتا ہے، آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ اشفاق ایک محنتی اور غریب لڑکا ہے۔ اس کی تعلیم و تربیت میں تحصیل اترولہ کے چیرمین مالی امداد کرتے ہیں۔ اشفاق کامیاب و خوشحال ہو جاتا

ہے۔ لیکن رئیس صاحب کا احسان نہیں بھولتا، اشفاق کا بیٹا انور ڈی۔اے۔وی، کالج کا طالب علم ہے اس کے ساتھ ماہ پارہ اور نکہت بھی زیر تعلیم ہیں۔ انور اور ماہ پارہ میں محبت اور شادی کے وعدے ہو جاتے ہیں۔ نکہت کو رشک ہوتا ہے۔ وقت گزرتا رہتا ہے۔ انور اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر چلا جاتا ہے اور ماہ پارہ کا انتخاب سی۔پی۔ایم۔ٹی میں ہو جاتا ہے۔ دونوں کے دلوں میں، دور ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی محبت برقرار ہے۔ ادھر اشفاق کے محسن رئیس کے بیٹے کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ اشفاق ہر ممکن ان کی مدد کرتا ہے۔ حامد کی حالت زیادہ نازک ہو جاتی ہے وہ روتے ہوئے اپنی دلی تمنا کا اظہار کرتا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتا ہے، اتنی جلدی لڑکا کہاں تلاش کیا جاتا۔ رئیس اشفاق سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے بیٹے انور سے حامد کی بیٹی کی شادی کرادے۔ چونکہ اشفاق کے دل میں احسان مندی کا بہت جذبہ ہے اور وہ اپنے محسن کے لیے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے انور سے کہتا ہے اور انور بھی سعادت مند بیٹے کی طرح اپنے باپ کے فیصلہ کا احترام کرتا ہے اور شادی ہو جاتی ہے بیوی سے ملاقات پر اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو وہی نکہت ہے جو میرے ساتھ کالج میں تھی۔ دن گزرتے جاتے ہیں نکہت نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔ کچھ دن بعد اسے جگر کی شکایت ہو گئی اور چند دن بعد اس کی موت ہو جاتی ہے۔ انور بے حد غمگین ہو جاتا ہے اس کی ملاقات ایک لیڈی ڈاکٹر سے ہوتی ہے۔ دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو ماہ پارہ ہے جو اس کے بچے کو گود میں لے کر اس کے ساتھ چل دیتی ہے۔

افسانہ ''غم کے بادلوں سے خوشی کی کرن'' پڑھنے کے بعد شبینہ قاری کے دل و دماغ پر چھا جاتی ہے اور وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آج کے اس خود غرض زمانے میں جب کوئی اپنے حقیقی رشتوں کا پاس نہیں رکھتا، اسی سماج میں ایسا بھی کوئی

ہوسکتا ہے کہ غیروں کے لیے ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار رہے۔ یہ کہانی انسانیت اور اخلاقی حس کو بیدار کرتی ہے۔

''میں اور میری تنہائیاں'' یہ پیغام دیتا ہے کہ ماں باپ اور بزرگوں کا تجربہ ہم سے بہت زیادہ ہوتا ہے اور وہ اپنی اولاد کے لیے بہتر مستقبل کی آرزو رکھتے ہیں۔ جلد بازی میں کیے گئے نوجوانی کے فیصلے پختگی نہیں رکھتے۔ یہ افسانہ سماج کے اس مسئلے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اولاد اپنے والدین کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا کر خود بھی خوش نہیں رہ سکتے۔

''قدرت کا کھیل'' احسان فراموشی آج کے سماج میں عام بات ہے۔ لوگ اپنا کام نکال کر بھول جاتے ہیں۔ لیکن اسی سماج میں اشفاق جیسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے محسن کی ہر طرح سے دلجوئی کرتے ہوئے اس کے احسان نہیں بھولتے۔ یہ کہانی احساسِ احسان مندی بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ زندگی کی تلخ سچائیوں سے مقابلہ کرنے کا پیغام دیتی ہے۔

فیروز ملکؔ کہانی کہنے کا شعور رکھتے ہیں۔ وہ احساسات وجذبات کی گہرائی تک پہنچنے کی شعوری کوشش کرتے ہوئے مختلف سماجی مسائل کو پیش کرتے ہیں جس میں وہ کافی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔ اکثر کہانیوں میں یوپی بالخصوص کانپور اور اس کے آس پاس کے اضلاع نیز مشرقی، مغربی اور شمالی اتر پردیش کے مختلف شہروں کی کامیاب منظر کشی ملتی ہے۔ فیروز صاحب افسانے کی پیش کش میں ترتیب کا خاص خیال رکھتے ہیں لیکن بعض جگہ بھٹکتے ہوئے بھی نظر آجاتے ہیں لیکن بہت جلد سنبھل جانے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں کے کرداروں کی تخلیق بڑے سلیقے اور فنی چابکدستی سے کی ہے۔ چند کہانیوں کو چھوڑ کر زیادہ تر کردار حقیقی زندگی سے بہت قریب نظر آتے ہیں یہ کردار خوشی اور غم کے جذبات رکھتے ہیں اور

حالات کے ساتھ ساتھ ان کی فطرت میں تبدیلی آتی رہی ہے۔ جہاں فیروز ملک نے شبینہ جیسا لافانی کردار، جو کہ ایثار وقربانی کا پیکر ہے اور دوسروں کی زندگی کو خوشحال وخوشگوار بنانے کے لیے اپنی جان کی بھی پروانہیں کرتی، پیش کیا ہے وہیں اشفاق، انور، توفیق، عثمان اور ماہ پارہ جیسے بہترین کردار پیش کر کے افسانوی ادب میں اپنی شناخت قائم کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

کہانی کے کردار کو سمجھنے کا بہترین ذریعہ وہ بات چیت ہوتی ہے جو کردار آپس میں کرتے ہیں یہ گفتگو مکالمہ کہلاتی ہے یہاں فنکار بہت ذمہ داری سے کام لیتا ہے کہ کس کردار سے کون سی بات کہلوائے اور کس موقعہ پر کون سی بات کہی جائے ۔فیروز ملک نے کوشش کی ہے کہ وہ اپنے کرداروں کی زبان سے وہی بات کہلائیں جس کی اس سے امید رکھی جاسکتی ہے جس میں وہ کافی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ چند مکالمے ملاحظہ کیجیے :

۱۔ ''اگر مرد کی آنکھیں عورت کی خوبصورتی کا جائزہ لینے لگیں تو اس کی شادی میں دیر نہیں کرنی چاہیے''

۲۔ ''سکہ رائج الوقت پیسہ کمانے کے چکر میں بہو کو نظر انداز نہ کرنا''

۳۔ ''اللہ کا کلی اختیار ہے وہ ہاتھ سے نکلا تیر روک سکتا ہے''

۴۔ ''اگر ہم شادی کے بندھن میں نہیں بندھیں گے تو شاید تم مجھے آسانی سے اور جلد بھول سکو گے''۔

۵۔ صبر کا پھل کے افسانے میں ریحانہ بولی ''ماں جب آٹے میں پانی پڑ جاتا ہے تو اسے وقت رہے توے پر ڈال کر روٹی نہ پکائی جائے تو وہ آٹا خمیر ہو جاتا ہے اور پھر اُسے انسان تو کیا جانور بھی منہ نہیں لگاتا ہے میری اتنی عمر ہو چکی ابھی تک اس گھر کی چوکھٹ پر داغ نہیں لگا ہے''۔

شروع میں جب میں فیروز ملک کے افسانوں کا مطالعہ کیا تو زبان میں کمی کا احساس ضرور ہوا لیکن جیسے جیسے میں آگے بڑھتا گیا اور درج بالا جیسے متعدد مکالمے نظر سے گزرے تو احساس ہو گیا کہ انشاء اللہ فیروز صاحب بہت عمدہ زبان لکھنے لگیں گے بس ضرورت ہے نوک و پلک درست کرنے کی۔

فیروز ملک کا افسانہ اس طرح سے شروع ہوتا ہے کہ قاری آغاز ہی سے متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی دلچسپی و تجسس بنا رہتا ہے لیکن بعض کہانیاں درمیان میں ایسا موڑ لے لیتی ہیں کہ جس سے وحدت تاثر زائل ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اکثر افسانوں کے اختتام پر قاری کے دل پر گہرا نقش ثبت ہو جاتا ہے۔ جو کامیاب کہانی کی دلیل ہے۔ بحثیت مجموعی کہا جا سکتا ہے کی فیروز ملک کے اکثر افسانوں کا پس منظر حزنیہ ہے اور سماج کے ان افراد کی کہانیاں ہیں جو اپنی بے بسی و بے چینی اور کرب کو چھپائے ایک سنجیدہ و نارمل زندگی گزارنے کی جدو جہد میں مصروف ہیں۔ فیروز ملک کے پاس کہنے کو بہت کچھ ہے لیکن انھیں ضرورت ہے بس انداز بیان پر توجہ دینے کی۔

امید ہے کہ فکشن بالخصوص افسانہ سے دلچسپی رکھنے والے باذوق و سنجیدہ قارئین اس کتاب کا بھرپور خیر مقدم کریں گے اور اس میں شامل افسانے انھیں ضرور پسند آئیں گے کیونکہ ان افسانوں میں وہ زندگی کے کچھ نئے رُخ بھی دیکھیں گے اور کچھ ایسی چیزیں بھی جن سے ان کا روزانہ کا سابقہ رہتا ہے۔ بہر حال اس خوبصورت پیش کش کے لیے جناب فیروز ملک صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ڈاکٹر محمد ارشد (پی۔ ایچ۔ ڈی)
شعبۂ اردو، حلیم مسلم پی۔ جی کالج،
کان پور۔ موبائل نمبر: 9457650292

اپنی بات

بنیادی طور سے میرا تعلق زمیندار گھرانے سے ہے لیکن جب 1947 میں ملک آزاد ہوا اور حکومت نے زمینداری نظام ختم کرنے کا منصوبہ بنانا شروع کیا تو میرے خاندان کے بیشتر سمجھدار لوگوں کے کان کھڑے ہوگئے، خود میرے والد صاحب بھی دوسروں کی طرح گاؤں چھوڑ کر کانپور آگئے، وقت گزرتا گیا پھر پکے چمڑے کا کاروبار کرنے لگے، کاروباری خاندانوں میں اونچی تعلیم کا رواج کم ہی تھا جہاں لڑکا تھوڑا سا پڑھنے لکھنے کے قابل ہوا اسے کاروبار میں بٹھا دیا جاتا تھا خود میں بھی زیادہ تعلیم حاصل نہیں کرسکا مگر والد صاحب نے مجھے تجارت کے تمام رموز سے واقف کرادیا، اس وقت بھی ہم چمڑے کے کام سے وابستہ ہیں۔

میرا آبائی گھر بلرامپور، تحصیل اوترولہ ہے جو پس ماندہ علاقے میں ہے۔ وہاں آج بھی بہت بڑے بڑے آم کے باغات اور میرا مکان موجود ہے جس کی دیکھ بھال کے لیے مجھے گاؤں جانا پڑتا ہے۔ اردو ادب سے میرا کبھی کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ اردو سے میری واقفیت برائے نام رہی، میرے برادر نسبتی خورشید ملک بھی اردو بہت کم جانتے ہوئے کامیاب افسانہ نگار بلکہ اچھے نقاد تھے۔ جب بھی خورشید ملک کا مجموعہ شائع ہوتا مجھے کانپور آکر مجموعہ پیش کرتے مگر ہم معذرت کے ساتھ واپس کردیتے کیونکہ مجھے افسانے پڑھنے میں کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔ ایک مرتبہ ہم مع اہلیہ ڈاکٹر ثریا جبیں کے ساتھ شاہجہاں پور میں تھے خورشید ملک کا لڑکا کرکٹ کھیل

رہا تھا، بال سنگار داں کے شیشے پر لگی، خورشید ملک نے لڑکے کو ڈانٹا اور کہا کہ جا کر میدان میں کھیلو اُسی وقت میں نے کہا بھائی جان بہت غم سے بھرپور افسانہ کا پلاٹ ہے اُسی وقت میری نسبتی بہن میری اہلیہ سے چھوٹی ہونے کے باوجود بولیں تم کو کیا معلوم پلاٹ کسے کہتے ہیں، افسانہ کسے کہتے ہیں، میں نے کہا ہم بھائی جان سے مخاطب ہیں تمہیں بولنے کی کیا ضرورت ہے پھر ہم بھائی جان سے بولے کہ سنگار دان کے شیشہ پر افسانہ ہے، دس منٹ ہو گئے خورشید صاحب کچھ بھی نہ بول سکے پھر میں نے کہنا شروع کیا اور بیچ آخر کے الفاظ ان کو بتائے، میری نسبتی بہن بولیں تو تم ہی بتاؤ ہم نے کہا بھائی جان کہیں تو ہم پورا افسانہ سنا دیں، خورشید نے کہا اچھا سناؤ، ہم نے پورا افسانہ سنا دیا اسی وقت خورشید صاحب نے کاغذ پر کچھ لکھا پھر کہنے لگے بہت اچھا افسانہ ہے اتنے جلدی تم نے افسانہ سنا دیا تم لکھتے کیوں نہیں؟ ہم نے کہا لکھوں، پھر کتاب چھپواؤں پھر لوگوں کو کتاب دوں! بھائی جان یہ میرے بس کی بات نہیں ہے، بھائی جان نے سمٹی ہوئی کرچیں افسانہ لکھا اب میری اہلیہ اور بھائی جان کے بے حد اصرار پر لکھنا شروع کیا۔ ۳۳ افسانے لکھ ڈالے، چار مہینہ بعد بھائی جان کانپور آئے ہم سے بولے کچھ لکھا بھی، میں نے دو رجسٹر رکھ دیے۔ یہ دیکھ لو پھر بھائی جان نے میرے سبھی افسانے پڑھے ہیں، میری اہلیہ نے اپنے بھائی جان سے پوچھا کچھ ٹھیک ہے۔ بھائی جان نے کہا سبھی افسانے ٹھیک ہیں، مجھ سے مخاطب ہوئے۔ فیروز اب ایک رجسٹر کو فخر الدین میں جمع کرو میں نے کہا یہ دونوں رجسٹر لیتے جاؤ اپنے نام سے جمع کرو، اپنے نام سے چھپوا لو۔ ارے بھائی جان کاروباری مصروفیات الجھنیں ہیں کہاں کون چکر میں پڑے۔ تب انھوں نے کہا تمہاری تخلیق تمہاری محنت ہے۔ تمہارے نام سے چھپے گی۔ اسی وقت انھوں نے ”

ریت کا گھروندا'' ''قسمیں وعدے'' رجسٹر پر لکھا اور میرے مکان کا پتہ لکھا مسودہ منظور ہو کر آیا پھر لکھنؤ جا کر چھپوالیا اب میں نے لکھنا بند کر دیا جب ''ریت کا گھروندا '' کا اجرا ہوا تب لوگوں کو معلوم ہوا فیروز افسانہ نگار ہیں۔ اسی اجرا کے وقت میری ملاقات شاعر جمیل قدوائی، مشہور شاعر ظہیر کانپوری اور شاعر و ناظم شکیل حیدر سے ہوئی، دوران گفتگو میں نے کہا میری دوسری کتاب ''قسمیں وعدے'' فخرالدین میں جمع ہے۔ اب بھی لوگ شام کو اکٹھا ہوتے ہیں، ہم غزل اور نظم کی طرف گھوم گئے۔ اپنے لکھے کلام کو ظہیر کے سامنے رکھا، ظہیر صاحب نے کہا تم مشاعرہ پڑھو گے۔ نہیں ہم نے لکھنا بند کر دیا، وقت گزرتا رہا تب ظہیر کانپوری نے ایک دن شعر پڑھا

نام جس نے ستم کا کرم رکھ دیا
اس سے بہتر ہے جس نے قلم رکھ دیا

یہ شاد عارفی کا شعر ہے۔

محترم ظہیر کانپوری نے کہا قلم مت رکھو ایک دن متاع آخرت

روزنامہ اخبار کے مالک جناب قدوس صاحب نے کہا جب تم نے ۲ مجموعے لکھے اب کیوں نہیں لکھ رہے ہو۔ ارے بھائی کچھ لکھو، ہم اتوار کے دن شائع کریں گے۔ یہ بات بدھ کے دن ہوئی پھر مجھ سے وعدہ لیا کہ سنیچر کے دن افسانہ لا کر دو، ہم نے وعدہ کر لیا، ہم نے سنیچر کے دن افسانہ لکھ کر دے دیا۔ اتوار کے دن شائع ہوا، کئی لوگوں کے فون مبارک باد کے آئے، پھر اللہ کے رحم و کرم سے لکھنا شروع کیا۔ ہفتے میں ایک افسانے لکھ کر دیتے رہے۔ ۴۲ افسانے اخبار میں شائع ہو چکے ہیں۔ اب اس وقت کچھ نہیں لکھ رہے ہیں۔ افسانے کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہوں بس افسانے لکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتا ہوں۔ اپنے اردگرد

چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کے اندر قارئین کے لیے مناسب موضوع تلاش کروں اپنے مشاہدات اور محسوسات کو ان لوگوں تک پہونچادوں۔ قارئین اور خاص طور پر نقاد حضرات کی نذر اپنا یہ تیسرا مجموعہ ''اور شمع جلتی رہی'' حاضر ہے۔ یہ آپ کا کام ہے کہ آپ لوگ اپنی پارکھی نگاہوں سے میری تخلیق کو پڑھیں، پھر فیصلہ کریں، موقع کی منظر کشی سے دور ہوں، کیونکہ سبھی افسانے اخبار میں چھپے ہیں۔ اخبار والے نے جتنی جگہ دی ہے اسی جگہ میں مجھے افسانہ کا اختتام کرنا ہے۔ اکثر عنوان لکھ کر افسانہ لکھنا شروع کیا ہے۔ دو مجموعے شائع ہوں گے پھر کچھ لکھوں گا۔

میری اہلیہ ڈاکٹر ثریا جبیں مرادآباد سے سی۔ ایم۔ او کے پوسٹ سے ریٹائر ہوگئیں ہیں۔ میرا بڑا بیٹا پرویز ملک BSC-MBA کے بعد اپنا کاروبار کر رہا ہے۔ میری بہو سمن پرویز ملک جبلی گرلس انٹر کالج، کانپور میں لکچرار ہیں۔ میرا چھوٹا بیٹا فہد ملک کانپور سے B.Tech کرنے کے بعد آسٹریلیا سے سافٹ ویر میں ڈپلومہ لے کر آیا ہے۔

مشہور شاعر و آل انڈیا مشاعرے کے کنوینر جناب جاوید گونڈوی ایک آل انڈیا مشاعرے اور کوی سمیلن کے کنوینر تھے۔ کانپور دیہات بلہور میں ۲۸ رجنوری ۲۰۱۲ء بسنت پنچمی حضرت سید بدیع الدین زندہ شاہ مدار ۵۹۳ عرس کے موقع پر اکھِل بھارتی کوی سمیلن و مشاعرہ کے موقع پر موہن سنگھ تحصیل دار اور اپ اور ضلع ادھیکاری محترم راکیش کمار کے بدست مبارک مجھے ایوارڈ سے نوازا گیا۔

مارچ 2012 کو معتبر ادارہ انجمن فروغ ادب کی طرف سے پی۔ ڈبلو۔ ڈی ھال میں آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہوا، جس میں میرا پہلا مجموعہ ''ریت کا گھروندا'' کی رسم اجرا پدم شری الحاج جناب ارشاد مرزا صاحب کے دست مبارک سے ہوئی۔

میری ادبی خدمات پر مجھے ایوارڈ سے نوازا گیا، جس کے لیے میں انجمن فروغ ادب کے جملہ اراکین جناب ڈاکٹر خان حفیظ، شاعر محترم ظہیر کانپوری، شاعر جناب جمیل قدوائی اور انجمن فروغ ادب کے بانی، معروف و مشہور شاعر محترم انجم صاحب، جناب شکیل حیدر نے مشاعرے کی نظامت کی۔ انجمن فروغ ادب کے جملہ اراکین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور شکر گزار ہوں کہ میری حوصلہ افزائی کی۔

بین الاقوامی ادارہ (رجسٹرڈ جگر اکاڈمی) کے سالانہ عالمی 2012 مشاعرہ جو کہ ویریندر سپروپ اڈیٹوریم ھال میں منعقد ہوا جس میں ہندوستان کے معتبر شعرائے کرام اور بیرونی شعراء حضرات نے شرکت فرمائی۔ وزیر کوئلہ شری پرکاش جیسوال، چیف انکم ٹیکس کمشنر شری گریش پانڈے، صدر جگر اکاڈمی پدم شری الحاج ارشاد مرزا کی موجودگی میں میری کتاب ''قسمیں وعدے'' کا رسم اجرا ہوا۔ اور میری حوصلہ افزائی کی گئی۔ جگر اکاڈمی کے اراکین مشہور معروف شاعر فتحپوری جنرل سکریٹری اور عبدالحمید شیخ صاحب سکریٹری اور جملہ اراکین کا بے حد شکر گزار و ممنوں ہوں کہ میری کتاب کی رسم اجرا کر کے میری حوصلہ افزائی کی۔ شہر کانپور کی معزز ہستیوں کی موجودگی میں کانپور پریس کلب کی جانب سے کلب کے صدر جناب شری باجپئی اور جنرل سکریٹری جناب اونیش دِکشت کے ہاتھوں ۲۲ راگست ۲۰۱۵ء کو ناچیز کو ادبی خدمات کے صلہ میں ''کانپور رتن'' ایوارڈ اور سند سے نوازا گیا۔ میں ''کانپور پریس کلب'' کے جملہ عہدیداران و اراکین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ابھی بھی میرے کاپی میں 23 افسانے کا عنوان لکھا ہے۔ شاعر ظہیر کانپوری اکثر کہتے ہیں اتنے دن ہو گئے ابھی تک کچھ لکھا بھی نہیں، میرا کہنا ہے کہ جب دو مجموعے آجائیں تب لکھیں۔ ظہیر کانپوری کا کہنا ہے کہ لکھو و کمپوزنگ کرا کر رکھ

لو۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ ابھی میرے قلم میں روشنائی ہے اور دماغ کی کھڑکی کھلی ہے۔ جتنا بھی لکھ ڈالو کم ہے۔ ہم نے وعدہ کیا ہم ضرور سے ضرور لکھیں گے۔

زندگی میں کاروباری مصروفیات اور اتنی الجھنیں ہیں کہ انسان اسی میں الجھا رہتا ہے۔ اور ''شمع جلتی رہی'' عنوان میں مونس کی طرف اشارہ ہے، اب شمع میں جب تک موم ہے یہ گھل گھل کر ختم ہونا ہے مگر دور دور تک اجالا بنائے ہوئے ہے۔ اسی طرح عورت کے جب تک سانس ہے اندر ہی اندر گھلتی رہتی ہے۔

۱۔ عورت اپنے پہلے پیار کو بھول نہ پائے۔

۲۔ عورت بانجھ ہو۔

۳۔ عورت کا شوہر کسی اور عورت کو الگ رکھے ہے۔

۴۔ عورت کا شوہر کمزور ثابت ہو جائے۔

اب ہم نے شوہر کی کمزوری ثابت کر کے عورت کس طرح سے اس کی زندگی گزر رہی ہے یہ لکھا ہے اگر کسی افسانہ نگار کا عنوان ہمارے عنوان سے مل رہا ہے تو برائے کرم معاف کریں۔ ہم افسانہ لکھنا شروع کرتے ہیں تو اسی وقت ختم کر کے کاپی بند کرتے ہیں دوبارہ پڑھتے نہیں ہیں یہ میری کمزوری ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ دوبارہ پڑھ لو تو افسانہ اور اچھا ہو جائے۔ کچھ لوگوں کا کہنا کہ افسانہ پڑھا کروں مگر مجھے افسانہ پڑھنے میں الجھن ہوتی ہے اور کہیں کسی کا افسانہ پڑھا اس افسانے کا ڈائیلاگ میرے قلم پر نہ آجائے، زندگی کے ہر قدم پر افسانہ ہے۔ اخبار میں، ٹی۔وی میں۔ راستے میں چلتے پھرتے افسانے کا عنوان موجود ہے۔

افسانہ ''خوشبوئے وطن'' کی اشاعت پر ''بھارتیہ یوا قومی ایکتا جن منچ''

کی جانب سے اور افسانہ ''فرض انسانیت'' کی اشاعت پر ''روی داس جینتی اُتسو سمیتی'' کی جانب سے ایوارڈ دیا گیا۔ میری کاوشوں کو سراہتے ہوئے ''انو بندھ ساہتک سماجک ایوم شیچھک سنستھان'' کی جانب سے توصیف نامہ عطا کیا گیا اور روزنامہ امر اجالا کی طرف سے ''اٹل مہیشوری امروڑی سماج 2015'' کے تحت اول انعام بدست مدیر ہریش چندر سنگھ اور نائب مدیر سنجئے پچوری نے عطا کیا، میں ان سبھی انجمنوں، تنظیموں کے ذمہ داروں اور اراکین کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

میرا حلقۂ احباب بہت بڑا ہے اور سب کا فرداً فرداً ذکر کرنا میرے لئے ناگزیر ہے مگر پھر بھی کچھ نام ایسے ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری ہے ہوسکتا ہے اس میں بھی وہ نام چھوٹ جائیں جو میرے لئے بہت اہم ہیں اس کے لئے میں اُن سے معذرت خواہ ہوں، ناموں کی تقدیم و تاخیر پر غور نہ کیا جائے ناچیز کو جو نام یاد آتے گئے وہ قلم بند ہوتے گئے میں حوصلہ افزائی کے لئے شکر گزار ہوں شاعر فتح پوری، معید بیتاب، جمیل قدوائی، فاروق جائسی، کلیم دانش، احمد اللہ بقائی، عزیز الرحمٰن خاں نشتر، ڈاکٹر احمد اللہ ملک، ماسٹر افضال حامد، سمیع فراز، عتیق فتح پوری، عشرت ظفر، حکیم نظام الدین تکمیلی، ڈاکٹر ظفر اکبر آبادی، غیاث الدین، مکرم، ڈاکٹر خان حفیظ، ڈاکٹر شکیل احمد (پرنسپل ایچ۔ ایم۔ پی۔ جی کالج)، خان فاروق، ڈاکٹر محمد ارشد، ڈاکٹر زین الدین حیدر، شفیق اللہ غازی، اشفاق برادر، حق کانپوری، ڈاکٹر اقبال، ڈاکٹر ریاض، جمال غالب، صہبا کانپوری، جمیل خیر آبادی، نصیر نادان، حاجی ارشد، ناظر صدیقی، چاند میاں طیب، حفیظ بن عزیز، قمر اعظمی، حسّان جاوید گونڈوی، مطہرین انجم، حافظ ظہیر کانپوری، عبد الحمید شیخ، نواب حسین، ابو الحسنات حقی، اسلم محمود، جاوید ساحل، ابو البرکات نظمی، عارف محمود، ظفر احمد غازی، شعیب نظام، نورین۔

فیض آبادی، ڈاکٹر بیتا جمال، ڈاکٹر عابدی، ڈاکٹر نگینہ جبیں، ڈاکٹر حنا افشاں، ڈاکٹر رخسانہ، ڈاکٹر نغمہ جبیں، کمال جائسی (میرا روڈ ممبئی)، شاہد اختر، سلیم عنائتی، محمد مجتبیٰ ملک، اقبال ملک، کلیم فتحپوری، شارق صدیقی، ہنر کانپوری، رفیع کانپوری، محشر کانپوری، اکمل ادیب، داغ نیازی، حکیم حبیب الرحمٰن، ضمیر جائسی، مسرور ٹائپسٹ، ماسٹر محمد احمد، فیروز عالم (باونڈیلا)، عبدالحمید (باونڈیلا)، اسد اختر، مکیش شریواستو، بھرت پُری، گووند نرائن سانڈل، وجے سنگھ پریہار، سنیل ساہو، راکیش گپتا، جیم اللہ ملک، ایوب ملک، احسن ملک، ایوب ملک (والد عثمان ملک مرحوم)، اطہر صدیقی و دیگر تمام حضرات کا جن کی محبتوں نے آج پھر مجھے آپ کے روبرو ہونے کا شرف بخشا۔

آپ کی گرانقدر آرا کا منتظر

فیروز ملک بلرامپوری

مینا مارکیٹ، چمن گنج، کانپور۔ موبائل: 9935014027

کوئی کسی کا نہیں

عرفان کی اتر سوئیا میں موٹر پارٹس کی دوکان ہے، والد صاحب کے پاس کئی بیگھا زمین اور آم کے باغات ہیں، عرفان کا چھوٹا بھائی انٹر میں پڑھ رہا ہے، سب لوگ خوشی خوشی زندگی گزار رہے ہیں، عرفان کو یوگا سیکھنے کا شوق ہے، اتر سوئیا میں حفیظ نام کے شخص نے یوگا سکھانے کی حکمت اور حفظ کرانے کا مرکز بنالیا ہے صبح صبح لوگ یوگا سیکھنے آتے ہیں، پھر چھوٹے لڑکے حفظِ قرآن کے لئے آتے ہیں، شام کو کُچھ لوگ حکمت سیکھنے آتے ہیں، جب کوئی مریض آتا حفیظ صاحب کو دکھانے کے لئے تو حفیظ صاحب کبھی تعویذ اور پھونک ڈال دیتے، کبھی جڑی بوٹیوں سے بنی دوا دیتے، اکثر لوگ پیسہ دینے کی کوشش کرتے مگر حفیظ صاحب منع کر دیتے۔ جب سب لوگوں کو معلوم ہو گیا حفیظ صاحب پیسہ نہیں لیتے ہیں تب لوگ اپنے ساتھ کبھی چاول، کبھی گیہوں ترکاری لیتے آتے۔ حفیظ صاحب اُن لوگوں سے کہتے:۔ آپ لوگ اپنے ساتھ سامان کیوں لاتے ہو، ہم غیر شادی شدہ زندگی گزار رہے ہیں، ہمارا خرچ ہی کیا ہے، اللہ نے ہمیں سب کچھ دیا ہے، اللہ حفیظ صاحب کی پھونک، تعویذ اور دوائیوں میں اپنا رحم و کرم شامل کر دیتا، مریض صحت یاب ہو جاتا۔

عرفان بھی صبح صبح یوگا سیکھنے آتا، عرفان نے حفیظ صاحب سے پوچھ لیا:۔ حضرت جی! آپ کہتے ہیں کوئی کسی کا نہیں ہے، آخر یہ دنیا کیسے چل رہی ہے؟ تب۔

حفیظ صاحب بولے:۔ اگر کسی انسان کو ذرہ برابر پریشانی آجائے، تب اُس شخص کے جتنے قریبی لوگ ہیں، اُس کی پریشانی میں مدد نہیں کرتے، بلکہ اُس کا پیٹھ پیچھے مذاق اُڑاتے ہیں اور پریشانی میں مبتلا شخص سے اپنا دامن بچانے لگتے ہیں، اگر کسی شخص کو مشورہ دو کہ یہ کام غلط ہے تب وہ شخص مشورہ دینے والے سے دور ہو جائے گا، مشورہ پر عمل نہیں کرے گا۔

عرفان نے یوگا میں سانس روکنے کی مہارت حاصل کر لی ہے، پہلے ضلع میں پھر صوبہ میں کئی جگہ سے شہرت کے ساتھ ساتھ انعام واکرام سے نوازا گیا، جتنے بھی انعام ملے سب کے سب لاکر حفیظ صاحب کو دیئے اور بولا:۔ استاد! اب دہلی میں انڈیا کے سبھی صوبوں کے سانس روکنے کے ماہر لوگوں کو بلایا جائے گا، اُس میں میرا نام بھی ہے، آپ اللہ سے دعا کریں ہم کو کامیابی ملے۔ حفیظ بولے:۔ ان شاء اللہ تم ضرور کامیاب ہوگے، لیکن کوئی کسی کا نہیں۔ عرفان استاد کو سلام کر کے گھر کے لئے چل دیا، راستے میں سوچنے لگا، سبھی لوگ مجھے چاہتے ہیں، میری ماں، میرے والد، چھوٹے بھائی، سب کو آزما کر دیکھیں کہ میری پریشانی میں ان لوگوں کی سوچ کیا ہے؟ اس لئے عرفان گھر میں داخل ہوا، پھر دیوار سے ٹکرا کر گر پڑا، ماں دوڑ کر آئی، والد صاحب آگئے، عرفان کا چھوٹا بھائی عمران بھی آگیا، سبھی لوگ رونے لگے۔ ماں عمران سے بولی:۔ جا دوڑ کر حفیظ صاحب کو بُلا لا۔ حفیظ صاحب فوراً آگئے، حفیظ صاحب سمجھ گئے کہ عرفان نے سانس روک لی ہے، تب حفیظ صاحب عرفان کی والدہ سے مخاطب ہوئے کہ آپ عرفان کی ماں ہیں، آپ عرفان کے سینے

پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ اللہ سے کہو:۔ تو میری زندگی لے لے مگر میرے عرفان کی زندگی واپس کر دے۔ عرفان کی والدہ بولیں:۔ ہم کیوں اپنی زندگی قربان کریں، ابھی عمران کی شادی کرنی ہے۔ پھر حفیظ صاحب والد صاحب سے مخاطب ہوئے:۔ آپ عرفان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اللہ سے کہو۔ عرفان کے والد بولے:۔ میری کچھ زمینوں کا مقدمہ چل رہا ہے، ہفتہ میں دو مرتبہ کچہری جانا پڑتا ہے، بچے صحیح ڈھنگ سے پیروکاری نہیں کر سکیں گے، مر کر گھر کی بربادی گھیرے گی۔ پھر حفیظ صاحب عمران سے بولے:۔ تم عرفان کے چھوٹے بھائی ہو، تم اللہ سے کہو۔ عمران نے کہا:۔ ہم کیوں مر جائیں، ابھی ہم نے دُنیا نہیں دیکھی ہے، میری شادی نہیں ہوئی، میرا دنیا میں آنا بے کار ثابت ہوگا، ہم عرفان بھیّا کے لئے کیوں مر جائیں؟ حفیظ صاحب نے کہا اللہ تعالیٰ کو کلّی اختیار ہے، مٹے کو بنا سکتا اور بنے کو مٹا سکتا ہے، آپ لوگ عرفان کی زندگی کے لئے اپنی قربانی دینے کو تیار نہیں ہیں، آپ لوگ رو رہے ہو، عرفان کے لئے محبت و چاہت نہیں ہے، دیکھا جائے تو دل سے نہیں رو رہے ہو، صرف آنکھوں سے پانی نکال رہے ہو، چل اُٹھ عرفان کوئی کسی کا نہیں ہے۔ عرفان فوراً اٹھ بیٹھا سارے لوگ حیران رہ گئے اور بولا:۔ استاد! آپ نے میری دنیا بدل دی، میری آنکھوں میں، دل میں محبت کا جذبہ بھرا تھا وہ سب ایک ساتھ ختم ہو گیا، جب کوئی کسی کا نہیں تو اللہ ہے، اسی کے ہو لو، وہ دُنیا میں ساتھ ہے اور مرنے کے بعد بھی اپنا رحم و کرم رکھے گا، چلو استاد آج سے ہم اللہ کے ہو گئے، مجھے حفظ کرنا ہے، وظیفہ کرنا ہے، بس اللہ ہی اللہ کرنا ہے۔ عرفان سے حفیظ صاحب

بولے :۔ جب تک ماں باپ زندہ ہیں، ان کی دیکھ بھال کرنا فرض اولیں ہے۔
عرفان نے کہا:۔ ہم اکثر آکر والدین کی خیریت معلوم کرتے رہیں گے، میں اپنے خون کی ایک ایک بوند اپنے والدین پر قربان کرنے کو تیار رہوں، چلو استاد چلیں، آپ کے ساتھ رہیں گے۔ دونوں لوگ گھر سے نکل آئے۔ عرفان راستے بھر سوچتا رہا، دنیا کو تو سمجھ لیا، اب استاد جیسا کہیں گے وہی ہم کریں گے۔

ایک دن حفیظ صاحب سے عرفان نے کہا:۔ استاد! ہمارے مکان کے بغل میں شمشل صاحب رہتے تھے، ان کا واقعہ بھی ہمارے جیسا ہے، ان کے والد کا انتقال ہوگیا، شمشل صاحب انجینیر بن چکے تھے، ایم ٹیک کی ڈگری لینے کے بعد نوکری کے لئے کئی جگہ درخواست دیا، قسمت کا دھنی امریکہ میں نوکری مل گئی، شمشل اپنی ماں سے بولا:۔ ماں امریکہ جارہے ہیں، ہر مہینہ روپیہ بھیجتے رہیں گے، فرید کی پڑھائی جاری ہے، شنو کی پڑھائی بند نہیں کرنا، سب ٹھیک ہی رہے گا، کل صبح ہم جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ سب پریشانی دور کردے گا۔

شمشل امریکہ خیریت سے پہونچ گیا، ہر مہینہ روپیہ بھیجتا رہا، گھر میں خوشحالی لوٹ آئی، اکثر فون سے باتیں کرتا حال چال لیتا رہتا، وقت گزرتا رہا، شنو نے B.A کا امتحان پاس کرلیا، فرید کو M.A کی ڈگری حاصل ہوگئی، ادھر شمشل انڈیا آیا، سب لوگوں کے لئے بہت سا سامان لایا، سب لوگ خوش تھے، شمشل نے ماں سے کہا:۔ تُم شنو کے لئے کوئی اچھا رشتہ دیکھو، لڑکا سرکاری نوکری والا ہو، خاندانی ہو، ہم شادی میں کار، فرج، ٹی وی، زیور سبھی چیزیں دیں گے۔ شمشل کی ماں نے کہا:۔

کاردو گے؟ شمشل نے کہا:۔ ہم اپنی بہن کی شادی بہت دھوم دھام سے کریں گے، پیسہ کی فکر مت کرو، جہاں میری بہنا جائے، خوش رہے، کچھ دنوں بعد شمشل امریکہ چلا گیا۔

وقت گزرتا رہا، فرید کو اپنی بہن کی شادی کے لئے ایک رشتہ پسند آ گیا، لڑکا ڈگری کالج میں پُروفیسر ہے، اکیلا ہے، زمیندار ہے، خاندانی لوگ ہیں، فرید کی والدہ کو رشتہ پسند آ گیا، شمشل کو فون پر اطلاع ہوگئی۔ شمشل کو بہت ہی مشکلوں سے چھٹی ملی، بہن کی شادی میں شرکت کرنے کے لئے شمشل بارات آنے سے ایک ہفتہ پہلے انڈیا آ گیا، کار، زیور، فرج، ٹی وی سب دو دن میں خریدا گیا، بارات آئی، براتیوں کی بھرپور عزت ہوئی، سبھی باراتیوں کی زبان سے ایک ہی لفظ نکلا:۔ اتنا جہیز اور اتنی عزت شاید کسی نے کی ہو! بارات بدا ہوگئی، شمشل کا جانے کا وقت قریب آ گیا۔ ماں سے بولا:۔ کل ہم امریکہ جا رہے ہیں۔ فرید سے بولا:۔ تُم کوئی مکان دیکھو، خریدنے کے لئے، اب مکان خریدنا ضروری ہے، تم M.A. کر چکے ہو B.ed کرلو تو کسی کالج میں پڑھانے کی جگہ مل جائے گی۔ شمشل امریکہ چلا گیا، وقت گزرتا رہا، فرید کی شادی کا رشتہ آ گیا، لڑکی انٹر کالج میں لکچرار تھی، خوبصورت بھی اور خاندانی لوگ تھے، رشتہ طے ہوگیا، شمشل کو فون کیا گیا۔ شمشل نے کہا:۔ ماں، ہم شادی میں شرکت نہیں کر سکتے، کیونکہ مجھے چھٹی نہیں مل رہی ہے، ہاں فرید بھیا کی شادی دھوم دھام سے کرنا، ہم پیسہ بھیج رہے ہیں، زیور، کپڑا، ولیمہ جو بھی خرچ آئے فکر مت کرنا۔ شمشل نے پیسہ بھیج دیا۔ فرید کی شادی ہوگئی۔ شمشل کی ماں بہت خوش ہوئیں۔ پھر شمشل کو فون پر اطلاع ملی کہ فرید کی شادی ہوگئی، شنو خوشحال زندگی گزار

رہی ہے۔ شمشل نے فرید سے کہا:۔ اب مکان لینا ضروری ہوگیا ہے، تُم مکان خریدنے کے لئے کوشش میں رہو، مکان بڑا ہو، پیسہ کی فکر نہ کرنا، سب انتظام ہوجائے گا۔ فرید نے کہا:۔ بھیّا! ایک مکان دیکھا ہے، ایک منزل بنا ہے، کچھ حصّہ میں باقی حصّہ میں خالی زمین پڑی ہے، چاروں طرف باؤنڈری بنی ہے، دو ہزار گز زمین ہے، جس کا مکان ہے وہ اپنے والدین کا اکیلا لڑکا ہے، اب بمبئی شفٹ ہوگیا اس لئے مکان بیچ رہا ہے۔ شمشل نے کہا:۔ اُس کے کاغذات لے کر دو وکیلوں کو دکھا لو، مُجھے کتنا پیسہ بھیجنا ہے اطلاع کرنا۔

ادھر فرید کی بیوی کالج برابر جارہی تھی، فرید کو ابھی نوکری نہیں ملی، کالج میں درخواست دے کر دوڑ دھوپ میں لگا رہا، فرید کی بیوی نے فرید کو اپنے دھونس میں لے لیا، کیونکہ فرید کو نوکری مل نہیں پارہی تھی، بات بات پر تنک کر بات کرنے لگی۔ فرید کی ماں بولیں:۔ اگر تو نوکری کررہی ہے تو اپنی کمائی اپنے پاس رکھتے ہے، کیوں ہم لوگوں کا جینا مشکل کردیا؟ میرا بڑا بیٹا پیسہ بھیجتا ہے، اُسی سے گھر کا خرچ چل رہا ہے، تیری کمائی کی ایک کپ چائے بھی پینا گوارا نہیں ہے۔ وقت گزرتا رہا، فرید نے ماں سے پیسہ لے کر مکان کا بیعانہ کردیا، چار مہینہ بعد بیعنامہ ہونا ہے، شمشل کو فون کرکے ماں نے بتادیا، شمشل نے کہا ہم پیسہ بھیج رہے ہیں۔

شمشل نے امریکہ میں ایک زمین خریدلی، وہاں پر ایک مسجد اور کچھ حصّہ میں مدرسہ بنا تھا، لوگوں کو معلوم ہوا تو بہت پیسہ اکٹھا ہوگیا، مسجد اور مدرسہ بنّا شروع ہوگیا، کچھ ہی مہینوں میں مسجد اور مدرسہ بن کر تیّار ہوگیا، مدرسہ میں دینی تعلیم حفظ قرآن کے مدرس رکھے گئے، مسجد کے پیش امام نے مسجد اور مدرسہ کا کام اپنے ذمّہ

لے لیا، شمشل ہر مہینہ کچھ رقم پیش امام کے ہاتھ پر رکھ دیتا اور کہتا:۔ اللہ سے دعا کریں سب ٹھیک رہے۔ پیش امام کہتے:۔ اللہ ہر بندے کو بے پناہ چاہتا ہے، مگر اُس بندے کے قول فعل پر انسانیت کی نگاہ رکھتا ہو، ان شاء اللہ تُم نے محنت لگن سے اتنا بڑا کام کر دیا ہے، اللہ تُم کو اس کا اجر دے گا، دین دنیا میں کامیاب رہو گے۔

ادھر فرید کی بیوی کو معلوم ہوا کہ مکان کا بیعانہ ہو چکا ہے، فرید کی بیوی نے کہا:۔ اجی سنتے ہو! مکان کی رجسٹری میرے نام کرانا۔ فرید نے کہا:۔ بھیّا کیا سوچیں گے! ماں کیا کہے گی! خاندان والوں کی نگاہ میں ہم کتنا ذلیل ہوں گے! فرید کی بیوی نے کہا:۔ بڑے بھیّا امریکہ میں نوکری کر رہے ہیں، وہ وہاں شادی کر چکے ہوں گے، اگر شادی نہیں کیا تو وہ وہاں کسی سے شادی کر لیں گے، اُن کو انڈیا میں رہنا نہیں ہے، جب تک ماں ہے تب تک سلسلہ رہے گا۔ فرید کو اپنے گھیرے میں لے کر مکان اپنے نام کرانے کو راضی کر لیا، شمشل نے مکان خریدنے کے لئے پیسہ بھیج دیا، مکان کا بیعنامہ ہو گیا، سب لوگ نئے مکان میں آ گئے۔ شمشل کی ماں دعاؤں میں کہتی:۔ اے اللہ! ہمارے لڑکوں کو عمر دراز دے، ہر آفت، روگ، مرض بلا سے محفوظ رکھنا۔ شمشل کی بہت ہی خوبصورت نیک سیرت عقلمند لڑکی سے شادی کرا دے۔ چھوٹی بہو تو بہت ہی بدمزاج ملی ہے، اللہ تو اِس کو راہ راست پر لا، سب کو اپنا سمجھنے لگے، سب کو محبت کی نگاہ سے دیکھے۔

شمشل دو سال بعد انڈیا آیا، شقو اور اُس کے شوہر بھی شمشل سے ملنے آئے، سب لوگوں کے چہرے پر خوشی کا نمایاں اظہار تھا، مگر فرید اور اُس کی بیوی کو خدشہ تھا کہ مکان کی کاپی نہ مانگ لے، تب فرید نے سوچا بہانہ کر دیں گے، فوٹو کاپی

کرنے کے لئے دے آئے ہیں۔ کچھ ہی دن گزرے تھے، فرید کی بیوی نے اپنی ساس سے پوچھ لیا:۔ بڑے بھیا کب تک انڈیا میں رہیں گے؟ شمشل کی ماں کے بدن میں آگ لگ گئی، غصہ کے مارے تلملا کر پوچھا: تو کیوں پوچھ رہی ہے؟ کیا تیری کمائی کھا رہے ہیں؟ ارے میرے شمشل نے بہن کی شادی دھوم دھام سے کی، فرید کی شادی کرائی، اتنا بڑا مکان لے لیا ہے۔ اُسی وقت فرید کی عورت بولی:۔ کیا خرچ کیا انھوں نے یہ مجھے نہیں معلوم، مگر یہ مکان کے خریدنے کے لئے میرے باپ نے پیسہ دیا ہے، یہ مکان میرا ہے، میرے نام سے بیعنامہ ہوا ہے۔ فرید کو شمشل نے بلا کر پوچھا:۔ مکان کے کاغذات کہاں ہیں؟ لاؤ دیکھیں۔ فرید کی بیوی بولی:۔ کاغذات میرے بکسے میں رکھے ہیں، تم نے کیا خرچ کیا یہ تُم جانو۔ شمشل نے فرید کو آواز دی:۔ کیا کمرے میں بیٹھے ہو، کیا ماجرا ہے؟ فرید کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ شمشل سمجھ گیا کہ مکان کو فرید نے اپنی بیوی کے نام کرا دیا ہے۔ اب فرید کی بیوی بولی:۔ ماں کو اپنے ساتھ امریکہ لیتے جائیں، کچھ دن امریکہ کی آب و ہوا دیکھ لیں، کیا سب ذمّہ داری چھوٹے لڑکے پر ہے؟ اب فرید کی بیوی اور شمشل کی ماں لڑنے لگیں۔ فرید کی بیوی ایک حد تک نچتا اور بدزبانی پر اتر آئی۔ شمشل نے ماں کو چپ کرایا اور بولا:۔ ماں! تم میرے ساتھ امریکہ چلو۔ اتنی دیر میں شنّو بولی:۔ ماں! امریکہ نہیں جائیں گی، ماں میرے ساتھ رہیں گی، چھوٹے بھائی فرید پر بگڑنے لگی کہ تجھے بھابھی نے الّو کا گوشت کھلا دیا ہے، ایک لفظ نہیں بول پا رہا ہے۔

شنّو نے رات میں اپنے شوہر کو سمجھایا کہ ماں کو امریکہ جانے نہ دینا، ماں کو ہم لوگ اپنے پاس رکھیں گے، شمشل بھیّا ماں کے لئے اتنا پیسہ دیتے رہیں گے کہ ہم

لوگ کا خرچ اور کافی رقم ماں کے عوض میں اکٹھا کرلیں گے، کبھی بیماری کا بہانہ، کبھی اسپتال میں جھوٹ بول کر بھرتی کرا کر امریکہ سے روپیہ آتا رہے گا۔ شنّو صبح بولی:۔ تُم کہیں نہ جاؤ، ابھی اسی وقت میرے ساتھ چلو۔ شمشل بولا:۔ ماں میرے ساتھ امریکہ جائیں گی۔ شنّو اور اُس کا شوہر ماں کے پیر پکڑ کر دکھاوا کرنے کے لئے رونے لگے۔ ماں نے کہا:۔ ہم بیٹی کو چھوڑ کر امریکہ نہیں جائیں گے۔ شمشل مجبور ہوگیا۔ شمشل نے کہا:۔ ماں میری بات مان جاؤ، چلو امریکہ۔ مگر شنّو کی بات پتھر کی لکیر بن گئی، دوپہر تک شمشل اُس کی ماں شنّو کے گھر آگئے، دوسرے دن شمشل کافی پیسہ ماں کو دے کر امریکہ چلا گیا، دن گزرتے رہے، شمشل کی والدہ کی طبیعت خراب ہوگئی، عرفان کی والدہ اکثر شمشل کی ماں سے ملنے چلی جاتیں، شمشل کی ماں پاخانہ، پیشاب میں پڑی رہتیں تو عرفان کی والدہ ہمدردی میں کپڑا بدل دیتی ،شمشل کی ماں رو رو کر کہتیں:۔ مجھے تکلیفیں ملنا تھی ورنہ شمشل کی بات مان کر امریکہ چلی جاتی تو تکلیفیں کم ہو جاتیں، میرا بھیّا امریکہ سے بے تحاشہ پیسہ بھیجتا رہتا ہے، مگر شنّو نے لالچ میں مُجھے روک لیا، کہاں اُسے ماں سے ہمدردی تھی، صرف دکھاوا تھا ہم اُس کی باتوں میں آگئے تھے۔

عرفان نے کہا:۔ استاد! جب بھی میری ماں شمشل کی ماں سے مل کر آتیں تو شام کو کھانا نہیں کھاتی تھیں، افسوس کے مارے ڈوب جاتیں، بعد میں معلوم ہوا شمشل اب مدرسہ میں رہنے لگا ہے، شادی نہ کرنے کی قسم کھالی ہے۔ حفیظ صاحب بولے:۔ عرفان! ولی دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک بنا شادی شدہ لوگ

،وہ مجذوب ہوتے ہیں، اُن کو احکامات ملتے ہیں، وہ سڑک پر زندگی کاٹ لیتے ہیں۔
ایک وہ لوگ ہوتے ہیں جو شادی کرتے ہیں، مگر فضولیات سے دور ہوتے ہیں، اُن کی نگاہ میں مرنے کے بعد حساب دینا پڑے گا تو اپنی زندگی بہت سادہ طریقہ سے گزارتے ہیں، اپنی طرف سے کسی کے دل کو تکلیف نہیں دیتے، انسانیت کا دامن نہیں چھوڑتے ہیں، اُن کے لئے یہ دنیا جیل خانہ ہوتی ہے، اللہ کی طرف سے جو احکامات ملتے ہیں وہ سب کے سب پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حفیظ صاحب نے عرفان سے کہا:۔ یہ دنیا چند سال کی ہے، مرنے کے بعد قیامت تک وہیں رہنا ہوگا۔ عرفان بولا:۔ استاد! ہم بھی شادی نہیں کریں گے، کوئی کسی کا نہیں ہے۔
حفیظ صاحب نے عرفان کی آنکھ کو بند کیا اپنے ہاتھوں سے تھوڑی دیر بعد حفیظ نے اپنا ہاتھ عرفان کی آنکھوں سے ہٹالیا، تب عرفان آسمان کی طرف ٹک ٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا، اُس کا دل دنیا سے ہٹ چکا تھا۔

قدم سنبھال کے رکھنا جہاں میں اپنا
ملے گا نیکی بدی کا ہر اک عمل کا صلہ
کوئی کسی کا نہیں ہے یہ سچ ہے اے فیروز
جو میں نے دنیا میں دیکھا سُنا وہی لکھا

☆☆☆

اور شمع جلتی رہی

ضلع بلرامپور، تحصیل اترولہ، گاؤں بھدوکھر میں جانے مانے زمیندار شفیق رہتے ہیں، کہنے کو گاؤں کو گاؤں کے نام سے جانا جاتا ہے مگر پورے گاؤں میں پکّے مکان اور بجلی ہے۔ شفیق کے پاس کار اور ٹریکٹر ہے، ان کا بہت ہی چھوٹا خاندان ہے، صرف ایک لڑکا سرفراز جو کہ آٹھویں کلاس میں پڑھ رہا ہے، بڑی لڑکی رُوحی انٹر میں پڑھ رہی ہے، رُوحی خوبصورت ہونے کے ساتھ اخلاق مند ہے، انٹر کا امتحان دینے کے بعد ابھی نتیجہ نہیں نکل پایا کہ تحصیل اترولہ کے بنکسہہ گاؤں کے رحمان نے اپنے بڑے لڑکے اجّو کا رشتہ شفیق کی لڑکی روحی سے سرفراز کی والدہ کے پاس رحمان نے ناون کو بھیج دیا، اجّو B.A کر چکا ہے، رحمان بھی بہت بڑے زمیندار ہیں، نامی گرامی شخصیت کے مالک ہیں، ان کے دو لڑکے ہی ہیں، بڑا لڑکا اجّو دوسرا لڑکا طاہر ہے، جو کہ انٹر میں پڑھ رہا ہے، اصل وجہ یہ ہے کہ اجّو کی والدہ کی رشتہ داری گاؤں بھدوکھر میں ہے، کئی عورتوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ رُوحی خوبصورت بھی ہے اور مزاج داں بھی ہے، بس اسی بات کو سوچ کر اجّو کی مّمی نے روحی کو بہو بنانے کے لئے اجّو کے والد رحمان سے بولیں کہ جلدی ناون کو بھدوکھر بھیج دو، روحی سے اجّو کے رشتہ کے لئے جب ناون بھدوکھر شفیق سے ملی، روحی کی والدہ سے ملی اور کہا کہ اجّو پڑھا بھی ہے، ہونہار ہے، صرب دو بھائی ہیں، بہن ہے ہی نہیں، روحی کی والدہ ناون

سے بولیں :۔ رشتہ تو اچھا ہے، ہم جلد ہی بنکسہہ ناون کو بھیجیں گے۔ ناون کی خاطر مدارات ہوئی، جب ناون بنکسہہ گاؤں کے رحمان سے ملی اور کہا رشتہ قریب قریب پکا سمجھو، جلد ہی آپ لوگوں سے ملنے شفیق آئیں گے۔

پندرہ دن بعد شفیق اپنے ساتھ کئی لوگوں کو لے کر بنکسہہ گاؤں رحمان کے یہاں آگئے، بات چیت کا سلسلہ شروع ہُوا، اب معاملہ لین دین کا شروع ہوا، تب رحمان نے کہا:۔ اللہ کے شکر و احسان سے میرے پاس سب کُچھ ہے، مُجھے رشتہ کرنا ہے، اسلام میں جہیز مانگنے کا کہیں ذکر نہیں ہے ہی نہیں، یہ تو ہندوستان ہے جہاں جہیز کا رواج چل نکلا، بڑے افسوس کی بات ہے کہ پیش امام، عالم، مفتی سب دبے الفاظ میں منع کرتے ہیں، جب کہ قاضی یہ اعلان کردے کہ بارات سادگی سے آئے گی، جہیز، بینڈ باجہ، ناچ گانا، پٹاخہ چھڑانے کی سخت ممانعت ہے۔

وہ دن آگیا کہ اجّو بارات لے کر بھدوکھر پہونچ گئے، بارات کی خوب عزّت افزائی ہوئی، شام تک رحمان باراتیوں کے ہمراہ بنکسہہ گاؤں لوٹ آئے، روحی کی خوبصورتی کا ذکر پورے گاؤں میں چلا، جس کو دیکھو یہی کہتا رہا اجّو کی بیوی خوبصورتی کی مثال ہے، کیا رحمان بہو چن کر لائے ہیں، ارے روحی جیسی لڑکی اِس بلاک میں ہے ہی نہیں، اللہ نے روحی کو خوبصورتی گنج سے بنایا ہے۔

دن گزرتے رہے، رُوحی نے اپنی عقلمندی، محنت اور اخلاق سے سب کا دل جیت لیا، اب گاؤں میں اس بات کی چرچا ہونے لگی کہ روحی نے اپنی ساس سسر کو ہی ماں باپ کا رتبہ دے دیا، روز سسر کا بچھونا بچھانا، ساس کا گھنٹوں پیر دبانا، روحی کی

ساس مجبور ہوکر کہتی :۔ جا بیٹی! آرام کرلے۔تب روحی اپنے شوہر کے کمرے میں آتی، کچھ دیر شوہر کا سر اور پیر دباتی۔

رُوحی کے بھائی کار سے اپنی بہن کو لے آتے، اکثر رُوحی کی ماں پوچھتیں:۔رُوحی! خوش تو ہو۔روحی کی بھابھی مذاق میں پوچھتی:۔کب تک میرے کانوں میں ممانی کی آواز آئے گی؟ روحی بس یہی کہتی:۔ یہ اللہ کی مرضی ہے۔ روحی کی سہیلیاں بھی چھیڑتی رہتیں،مگر روحی مسکرا کے رہ جاتی۔

رحمان کا چھوٹا لڑکا طاہر کا رشتہ بغل والے گاؤں میں طے ہو گیا، کچھ ہی دنوں میں بارات گئی اور خیریت سے واپس آ گئی۔ طاہر کی بیوی ایک دم تیز مزاج تھی، سب لوگوں کو بُرا کہنا، بات بات پر لڑنے لگتی، رحمان اپنے دوستوں سے کہتے کہ ایک ہماری بڑی بہو ہے کہ سب لوگوں کو اپنے مزاج اور اخلاق سے اپنا بنا لیا ہے اور چھوٹی بہو تو آفت کی پرکالا نکلی ہے،جب بھی گھر میں قدم رکھو بڑی بہو کو غلط کہتی،مگر بڑی بہو نے کان میں روئی لگا رکھی ہے،جیسے کچھ سنا ہی نہیں،مگر چھوٹی بہو نے اپنی ساس سے دن میں چار مرتبہ لڑنا ضروری بنا رکھا ہے،بیٹا طاہر بھی بہو کا حامی بن گیا ہے۔

دن گزرتے رہے،اب ابّو کی ماں اکثر بہو سے کہنے لگیں:۔ ارے بہو! کب تک میرے کانوں میں دادی کی آواز آئے گی؟ روحی کہتی یہ اللہ کو بہتر معلوم ہے۔ طاہر کے یہاں لڑکا پیدا ہوا، رحمان نے گاؤں میں مٹھائی تقسیم کرائی،لڑکے کا عقیقہ کیا، کچھ دنوں کا خوشی کا ماحول بن گیا، روحی اپنی حسب عادت کام میں مشغول رہتی،ساس سسر کی خدمت، گھر کا سارا کام نبٹا کر شوہر کے پاس آتی، ابّو اندر ہی اندر

گھلتا جار ہا تھا، روحی اپنے شوہر کی غذا میں گھی اور دودھ میں میوہ پکا کر روز دیتی بس ہر وقت اجو کا خیال رکھتی تھی۔

اجو کی بہن اپنے بھائی طاہر کے لڑکے کی پیدائش میں کام کی مشغولیت کی وجہ سے آنہیں پائی تھی، بھتیجے کی چاہت میں گاؤں بنکسہہ آگئی، ایک دن اپنی ماں سے بولی:۔ ماں تم اجو بھیا پر دباؤ ڈال کر روحی کو طلاق دلا دو، ماں تم تو سمجھ چکی ہو یہ بانجھ ہے، اب اِس کی کوکھ کھُل ہی نہیں سکتی، سبھی انسانوں کو اپنی نسل برقرار رکھنے کی چاہت ہوتی ہے، اجو بھیا بھی سوچتے ہوں گے، مگر اِس روحی نے کچھ کھلا دیا ہے کہ زبان نہیں کھول پا رہے ہیں۔ روحی اپنی نند کی باتیں سنتی رہی، جب نند کی باتیں برداشت نہیں ہوئیں تب اُس جگہ سے اٹھ کر چلی گئی۔

ایک ہفتہ بعد پھر رُوحی کے سامنے اجو کی بہن اپنی ماں سے مخاطب ہو کر بولی:۔ ماں! آپ نے اجو سے شادی کے متعلق کوئی بات نہیں کی ہے، اگر اجو بھیا اِس روحی کی خوبصورتی میں الجھ گئے ہیں اس لئے روحی کو طلاق نہ دیں، مگر دوسری شادی ضرور کر لیں، آخر ماں کب تک انتظار کروگی۔ اب رُوحی جذبات میں آکر بولی، کہا ہاں ماں آپ اور نند جی دونوں بات کریں، ارے نند جی! میں نے جب دُلہن بن کر اِس چوکھٹ پر قدم رکھّا تبھی میں نے اللہ سے دعا مانگی آج ہم اِس چوکھٹ کی دُلہن بن کر آئے ہیں تو میری میت اسی چوکھٹ سے نکالنا اور ہم اسی بات پر قائم ہیں اور قائم رہیں گے۔

رہا سوال دوسری شادی کا تو تمہارے اجو بھیا چاہ ہی نہیں رہے ہوں گے،

کیونکہ ایک کی زندگی کیسے کٹ رہی ہے، اب دوسرے کی زندگی برباد کر ہی نہیں سکتے، ہماری شادی کے بعد اپنے کوئی حکیموں اور ڈاکٹروں کو دکھایا، سبھی لوگوں نے اجّو کو پیدائشی کمزور بتایا، تمہارے اجّو بھیا نے مجھ سے کئی مرتبہ کہا ہم طلاق دے دیں، تم اپنی زندگی برباد مت کرو، کہیں بھی شادی ہو جائے گی۔ پھر میں نے اُن کو سمجھایا کہ میرے ساس سسر اچھے نیک ہیں آپ بھی رحم دل اور مجھے چاہتے ہو، بس میری زندگی آپ کے چوکھٹ پر کٹ جائے گی، اللہ نے میری دعا سُن کر قبول کری تو میری میّت اسی چوکھٹ سے نکلے گی، اب نند جی! آپ شوق سے اپنے اجّو بھیا سے بات کریں۔

اجّو کی ماں نے اپنے شوہر رحمان سے ذکر کیا تو رحمان بولے:۔ بہو اتنے سالوں تک چپ رہی، برداشت کی حد ہوتی ہے۔ کچھ ہی دن بعد رحمان کی طبیعت خراب ہوگئی، ڈاکٹروں نے شکر کی بیماری بتایا، اب رحمان کو اپنی بیماری کی فکر نے گھیر لیا، کچھ دنوں بعد رحمان اپنے سمدھی سے ملنے گئے، وہاں بات کا تذکرہ کیا کہ روحی کو سمجھاؤ، ابھی کہیں نہ کہیں شادی ہو جائے گی اور ہم ۱۵ بیگھہ زمین روحی کے نام لکھ دیں گے، روحی نے ہم لوگوں کا دل جیت لیا ہے، اِس لئے رشتہ آپ بتائیں، اب ہم رُوحی کو اپنی چوکھٹ سے بدا کریں گے، جو خرچ آئے گا ہم خرچ کریں گے، شاید ہی کوئی اِس گاؤں میں اپنی بیٹی میں اتنا خرچ کرتا ہو، بڑے دھوم سے شادی کریں گے، آخر میری بہو اور بیٹی ہے۔

کچھ ہی دن بعد رُوحی کی والدہ رُوحی سے ملنے آئیں، ماں نے بہت سمجھایا کہ رُوحی یہ بات ہم جانتے ہیں، تمہارے ساس سسر تُم کو بہت چاہتے ہیں، اب تُم

اپنی ساس اور سسر کی بات مان لو، ہم لوگ اچّھے سے اچھا رشتہ تمہارے لئے لائیں گے، اور تمہارے شوہر نے بھی کہا کہ تُم کہیں شادی کرلو، اب اتنے لوگوں کی بات مان جاؤ، ہم جلد ہی کئی جگہ ناون کو بھیجیں گے، تمہاری شادی کے رشتہ کے لئے۔

طاہر اور اُس کی بیوی نے اپنی بدزبانی، بداخلاقی سے گھر والوں کو پریشان کردیا تھا، تبھی رحمان اپنی بیماری کو سوچ کر رجسٹرار میں جا کر زمین کو تین حصّوں میں بٹوارا کردیا، ایک حصّہ طاہر کا، ایک حصّہ اجّو کا اور ایک حصّہ رُوحی کے نام لکھ دیا، مکان کو تین حصّہ میں، ایک حصّہ کی دیوار کھڑی ہونے لگی، تب گاؤں والوں کو معلوم ہوا کہ رحمان نے زمین اور مکان تین حصّوں میں بانٹ دیا ہے، ایک حصّہ طاہر کو دیا، طاہر اور اُس کی بیوی کو الگ کردیا، اجّو اور رُوحی نے ماں باپ کو اپنے طرف لے لیا، روحی نے کہا:۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ ہمارے ساس سسر میرے طرف رہیں گے۔

دن گزرتے رہے، روحی نے سختی سے انکار کردیا کہ ہم اِس چوکھٹ کی دلہن ہیں اور اِسی چوکھٹ سے ہماری میت نکلے گی، کچھ عرصہ بعد اجّو فالج کا شکار ہوگیا، اب اجّو کو کروٹ لینا مشکل ہوگیا، زبان سے بول بھی نہیں پاتا، صرف اشارہ سے اپنی بات کہتا۔

روحی دل وجان سے اجّو کی خدمت میں لگی رہی، رُوحی کے ساس سسر کہتے:۔ اوپر والے نے اجّو کی خدمت کے لئے رُوحی کو پیدا کیا ہے، کچھ ہی مہینوں میں اجّو کا انتقال ہوگیا، رُوحی گُم سی ہوگئی، اب طاہر نے اپنے والد پر دباؤ بنایا کہ اجّو کی زمین میرے نام کرادو۔ رحمان نے انکار کردیا، روحی اپنے ساس سسر سے بولی:۔ آپ بہتر سمجھیں تو زمین طاہر کے نام لکھادیں، ہم لوگوں کے پاس بہت زمین ہے

ہی، روز روز طاہر آ کر بُرا بھلا کہتا رہتا، بہو کی بات مان کر ابّو والی زمین طاہر کے نام لکھا دیا۔ اب ایک حصّہ بچ گئی، دن گزرتے رہے، رُوحی اپنے ساس سسر کی خدمت میں لگی رہی، ایک دن رُوحی کی سہیلی گاؤں میں آئی، چلتے وقت روحی سے ملی، اصل میں روحی کی سہیلی کو اپنے لڑکے کی شادی کا کارڈ دینا تھا، رُوحی سہیلی سے بولی:۔ اللہ کا رحم و کرم ہے کہ تم اپنی بہو کو لانے جا رہی ہو۔ روحی کی سہیلی بولی:۔ روحی تم نے اپنی زندگی کا راستہ خود چنا ہے ورنہ سبھی لوگ تُم سے کہہ رہے تھے دوسری شادی کے لئے، مگر تم نے منع کر دیا۔ رُوحی نے کہا:۔ یار! شمع خود جلتی ہے تب روشنی ہوتی ہے۔ روحی کی سہیلی نے کہا:۔ ہاں! تم ٹھیک کہتی ہو، تم نے اپنے ارمان، اپنی خوشی، اپنی زندگی کو جلا کر ابّو اور اپنے ساس سسر کی چوکھٹ کی روشنی کو برقرار رکھا، جب تک روحی کے جسم میں سانس باقی رہے گی، چوکھٹ پر روشنی رہے گی، شمع کا کام ہے جلنا اس لئے جلتی رہے گی، اور زُلیخا کی پیروی ہوتی رہے گی۔

رات کروٹ بدلتی رہی
لمحہ لمحہ مگر وہ پگھلتی رہی
ختم فیروز اتاریکیاں ہو گئیں
صبح آنے تلک شمع جلتی رہی

☆☆☆

”عمل کا صلہ“

(یہ کہانی مصنف کے ذاتی خیالات پر منحصر ہے مرنے کے بعد کیا ہوگا یہ تو اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ قیاس اور گمان پر منحصر ہے)

صبح کی ناشتے سے فارغ ہو کر شوکت نے اپنا چار پہیئے والا ٹھیلا نکالا۔ پھر سفید چادر بچھا کر دس دس کے چار نوٹ اس پر رکھ دیئے۔ چھوٹا لاوڈ اسپیکر لگایا۔ اور اپنی ٹوپی درست کرنے کے بعد مدرسہ کی رسید جیب سے نکال کر ٹھیلے پر رکھ دی۔ کچھ دور چلنے کے بعد مائیک لے کر بولنے لگے۔

”میرے عزیز دوستو، بزرگو، ماؤں، بہنوں آپ لوگوں سے گزارش ہے کہ شیام باغ میں ایک دینی مدرسہ قائم ہے جہاں یتیم بچّوں کی دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کے رہنے اور کھانے کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ آپ لوگوں کے صدقہ، زکوٰۃ کی مدد سے یتیم بچوں کو تعلیم مدرس دیتے ہیں آپ ہی لوگوں کی امداد سے یہ مدرسہ چل رہا ہے۔ آپ لوگ زیادہ سے زیادہ تعاون کر کے اللہ کے یہاں نیکی میں اپنا نام درج کرائیں“۔

اسی وقت ایک برقع پوش خاتون نے ۵۰ روپیہ ٹھیلے پر رکھ دیئے شوکت نے رسید کاٹنے کے لئے رسید بک اٹھائی مگر تب تک وہ عورت آگے بڑھ گئی۔

شوکت اسی طرح تقریباً ۴۰۰ روپئے روزآنہ چندہ جمع کر لیتے تھے۔

کسی نے ان سے نہیں پوچھا کہ مدرسہ کہاں ہے، اور کیسا ہے، کتنے بچے پڑھتے ہیں۔ حالانکہ شیام نگر میں کسی بھی مدرسہ کا وجود نہیں تھا۔ یتیم بچوں کے نام سے شوکت کا گھر آرام سے چل رہا تھا۔

ایک دن دوپہر کو شوکت کسی محلے سے نکل رہے تھے۔ ایک مکان کے پائپ سے گندہ پانی ان کے کرتے پائجامہ پر گر گیا۔ شوکت آپے سے باہر ہو گئے۔ شکلا جی وہیں پر کھڑے تھے۔ انھوں نے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی اور دو سو روپے نکال کر شوکت کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے بولے ’’آپ نیا کرتا پائجامہ بنوا لیجئے گا‘‘۔

بغل میں چائے کے ہوٹل سے ایک شخص آ کر شوکت سے الجھ گیا اور جیب سے ریوالور نکال کر گولی چلا دی۔ شوکت کے سینے پر گولی لگی اسی وقت ان کی موت ہو گئی۔ گولی چلانے والا فرار ہو گیا۔

فوراً ہی پولیس آ گئی۔ لاش کو اسپتال سے پوسٹ مارٹم ہاؤس پہونچا دیا گیا۔

کانپور میں کرم پوروہ میں راہل غلہ بیوپاری ہے تھوک منڈی کے ریٹ سے اناج بیچتا ہے۔ ایک آدمی نے راہل کی دوکان سے گیہوں خریدا۔ اس آدمی نے دوسری دوکان پر وزن کروایا تو گیہوں آدھا کیلو کم نکلا۔ وہ آدمی واپس راہل کی دوکان پر آ کر بحث کرنے لگا۔ اسی وقت پاس کی گلی سے ایک شخص نکلا اور اس نے راہل کو گولی ماردی۔ راہل کی اسی وقت موت ہو گئی۔ گولی مارنے والا فرار ہو گیا۔ پولیس نے راہل کی لاش کو اسپتال کے بعد پوسٹ مارٹم ہاؤس میں پہونچا دیا۔

ایک مندر میں کسی نے گوشت ڈال دیا تھا صبح سے ہندو فرقہ کے لوگ

تھانے کا گھیراؤ کر کے ہنگامہ کر رہے تھے ایک مسلمان کے گھر کے زینے پر سور کا بچہ مرا پڑا تھا۔ مسلم فرقہ کے لوگ طیش میں تھے۔ شام ہوتے ہوتے ایک ہندو اور ایک مسلمان کو گولی ماردی گئی اب پورے شہر میں دنگا بھڑک چکا تھا۔ ڈی ایم نے کرفیو لگا دیا۔ چپہ چپہ پر پولیس بٹھادی گئی مگر فسادی کنٹرول میں نہیں آرہے تھے۔ کئی بے قصور لوگوں کو اپنی جانیں گنوانا پڑیں۔

پوسٹ مارٹم گھر میں شوکت اور راہل کی لاشیں ایک کونے میں پڑی تھیں۔ شوکت کی روح راہل کی روح سے مخاطب ہوئی۔

''یار شہر میں دنگا ہوگیا ہے۔ حالات بہت خراب ہیں''۔

راہل کی روح بولی۔ ''یار شوکت بھائی دنگا جاہلیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور سارا الزام ایک دوسرے کے سر رکھ دیتے ہیں۔ دنگوں کی سیٹنگ مہینوں پہلے سے بنائی جاتی ہے۔ ہماری اور تمہاری موت بھی بلاوجہ ہوگئی ہے اس میں بھی سازش رہی ہوگی۔ کئی گھر اور دوکان جل کر راکھ ہوگئے ہوں گے۔ کئی لوگوں کی جانیں چلی گئی ہوں گی۔ ہفتہ بھر بعد سب کچھ نارمل ہو جائے گا۔ پھر ایک پارٹی حکمراں پارٹی پر الزام لگائے گی۔ حکومت مرنے والوں کو ایک ایک لاکھ روپیہ دینے کا اعلان کرے گی۔ ان کا بیان اخباروں کی سرخیاں بن جائے گا۔ ان سے کیا مطلب کتنے بچے یتیم ہوگئے۔ کتنی عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ کتنوں کی روزی ختم ہوگئی۔ بھائی یہ سب سیاست کا کھیل ہے۔ عوام پستی جارہی ہے۔ حکمرانوں کو اپنی گدی قائم رکھنی ہے عوام کے ذہن کو دوسری طرف موڑنے کے لئے حکومت دنگا کراتی ہے تاکہ حکومت کے

غلط فیصلوں پر عوام کی نگاہ نہ پڑے۔ اگر مخالف پارٹی دنگا کرائے گی تو الیکشن میں نیتا لوگوں کو زہر اگلنے کا موقع ملتا ہے ''۔

شوکت نے کہا '' ہاں یار راہل تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ سب نیتا زبانی ہمدردی دکھاتے ہیں۔ الیکشن کے دوران ہاتھ جوڑے ہوئے آتے ہیں۔ عوام سے ہزاروں وعدے کرتے ہیں۔ صرف ایک ماہ کی محنت سے پانچ سال کے لئے سکون سے بیٹھ جاتے ہیں ''۔

راہل کی روح نے کہا۔ '' ہاں بھئی اب جو ہونا تھا ہو گیا۔ چلو اپنے اپنے گھر کی طرف چلیں وہاں کا منظر دیکھیں ''۔

شوکت کی روح بولی۔ '' نہیں یار۔ گھر کی طرف جانے سے وہاں کے حالات دیکھ کر اور تکلیف ہوگی چلو کہیں باہر ملک کی سیر کر کے آتے ہیں ''۔

دونوں روحیں انگلینڈ پرواز کر گئیں۔ وہاں عریانیت کے منظر دیکھ کر شوکت کی روح نے کہا۔ '' ارے! یہاں تو مذہب کے نام سے ہی سب لوگ غافل ہیں، کیسی بے حیائی ہے کیسی عریانیت ہے۔ ہمارا ہندوستان ہزار گنا بہتر ہے ''۔

راہل کی روح بولی۔ '' ہاں یار شوکت یہاں سیکس کا اظہار کرنا کوئی خاص بری بات نہیں ہے یہ ان کی تہذیب میں شامل ہے۔ ہمارے ہندوستان کی شرم وحیا کی مثال پوری دنیا میں کہیں نہیں ملتی ''۔

دونوں روحیں ہندوستان واپس آ گئیں۔ اسی وقت روحوں کے داروغہ نے۔ دونوں روحوں کو پکڑ لیا اور اوپر لے گیا۔ دونوں نے پوچھا۔ '' تم ہم لوگوں کو زبردستی

کہاں لے کر جا رہے ہو"۔

داروغہ بولا۔"ابھی سب معلوم ہو جائے گا"۔

تھوڑی دیر میں وہ ایک ایسی جگہ پہونچے جہاں ہزاروں بیرک بنی ہوئی تھیں۔سبھی بیرک پر الگ الگ بورڈ لگا ہوا تھا۔دنگا کرانے والوں کی بیرک میں سبھی لوگ الٹے لٹکے ہوئے تھے منہ سے خون گر رہا تھا چلا رہے تھے بہت بدبودار بیرک تھی۔جھوٹ بولنے والوں کی بیرک، قاتل کی بیرک، رشوت خور کی بیرک، امانت میں خیانت کرنے والے کی بیرک، چور کی بیرک، اور زنا کرنے والے کی بیرک۔

کافی دور ایک بیرک میں لوگ پھل کھا رہے تھے ٹھنڈا مشروب پی رہے تھے۔ شوکت نے پوچھا۔

"یہ کون لوگ ہیں جو اتنے سکون سے رہ رہے ہیں؟"۔

داروغہ نے جواب دیا۔"ان لوگوں نے دنیا میں یتیموں اور غریبوں کی مدد کی ہے۔ بھوکوں کو کھانا کھلایا ہے اسی کا صلہ انھیں یہاں ملا ہے"۔

شوکت کی روح بولی۔"میں نے دنیا میں لنگر کیا ہے مجھے اس بیرک میں لے چلو"۔

داروغہ نے جواب دیا۔"تم نے لوگوں سے چندہ وصول کر کے لنگر کیا تھا اور اس چندہ کی رقم سے بچا کر اپنی ذاتی ضروریات پر صرف کیا ہے اس لئے اس بیرک کے تم حقدار نہیں ہو"۔

وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک بیرک بنی تھی، جس میں حسین لڑکیاں کچھ لوگوں کو سیب کھلا رہی تھیں۔ وہ سب اپنے اپنے محسن کو خوش رکھنے کے لئے مشغول تھیں۔

راہل اور شوکت کی روح نے بے ساختہ کہا۔ ''اس بیرک میں تو مزہ ہی مزہ ہے''۔

داروغہ نے جواب دیا۔ ''اس بیرک میں موجود لوگوں نے اپنے آپ کو دوسری عورتوں سے دور رکھا۔ اپنی زندگی کی کشتی پر بھروسہ کرکے زندگی کو چندروزہ سمجھ کر آخرت پر مکمل ایمان بنائے رکھا۔ ہر سانس میں بس اللہ کو یاد کیا ان میں کچھ شادی شدہ بھی ہیں مگر انھوں نے اپنی بیوی اور بچوں کی کبھی حق تلفی نہ کی اور دوسری عورتوں کے لئے گھر کے سکون کو برباد نہ کیا۔ اور خدا کی ذات سے کبھی غافل نہ رہے۔ حالانکہ ان کے ساتھی ہمیشہ ان کا مذاق اڑاتے رہے۔ ان کو پرانے خیالات کا لقب دیتے رہے۔ لیکن انھوں نے کسی کی پرواہ نہ کی اور اپنے آپ کو فضولیات سے دو ر رکھتے ہوئے اللہ کے بنائے ہوئے قانون کی تعمیل میں لگے رہے بیوی کے حقوق، بچوں کی پرورش میں کمی نہ آنے دی۔ اب ان لوگوں کو یہاں آرام آسائش کی سب ہی چیزیں دستیاب ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں بدقسمت کہلائے مگر یہاں افضل مقام حاصل کیا''۔

آگے ایک بیرک کے سامنے داروغہ رک گیا اس پر بورڈ لگا تھا ''یتیموں اور مسکینوں کا مال ہڑپ کرنے والوں کا بیرک کا داروغہ شوکت کی روح سے مخاطب ہوا۔ ''یہ تمہارا بیرک ہے ''۔

شوکت گھبراتے ہوئے بولا۔

''یہاں تو بہت گرمی ہے''۔ داروغہ نے اسے بیرک کے اندر دھکیل دیا۔

''۵۰ ڈگری درجہ حرارت ہے۔ دنیا میں بے ایمانی کرنے کا خمیازہ بھگتو''۔ تھوڑا اور

آگے بڑھنے پر ایک بیرک پر بورڈ لگا تھا۔ ''ناپ تول میں گڑبڑی کرنے والوں کی بیرک'' اس بیرک میں خاردار جھاڑیاں چاروں طرف پھیلی تھیں۔ داروغہ نے راہل سے کہا۔'' یہ تمہاری منزل ہے''۔ راہل پریشان ہوکر بولا۔

'' ان نوکیلے درختوں کے بیچ میں کیسے رہ سکوں گا ''۔

داروغہ نے اسے اندر کرتے ہوئے کہا۔'' دنیا میں کم تولتے وقت تم نے ایک بار بھی آخرت کے بارے میں سوچ لیا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی ''۔

شوکت خواب میں کرب انگیز منظر دیکھ کر چیخ کر نیند سے بیدار ہُوا پورا بدن پسینے سے شرابور تھا وہ گُم صُم حالت میں بیٹھا رہا۔ کافی دیر بعد نارمل حالت میں واپس لوٹا اب اُس کے ذہن میں کوئی بوجھ نہیں تھا۔

مال و دولت نہ یہ اولاد کی قیمت ہوگی
ہر غلط کام سے انسان کی ذلت ہوگی
جو بھی قرآن میں لکھا ہے وہ سچ ہے فیروز
موت کے بعد بھی اعمال پہ جنت ہوگی

☆☆☆

میں اور میری تنہائیاں

عثمان شہر کے ایک ڈگری کالج کا طالب علم تھا۔ وہ پڑھائی میں بہت تیز تھا۔ سارے پروفیسر اس کی ذہانت کے قائل تھے۔ عثمان کے کلاس میں زیبا نام کی لڑکی بھی پڑھتی تھی جس کے حسن کے چرچے پورے کالج میں تھے۔ عثمان زیبا سے متاثر تھا۔

امتحانات کے دنوں میں زیبا نے پڑھائی میں مدد کے لئے اسے اپنے گھر بلایا۔ اور اس طرح عثمان کا آنا جانا زیبا کے گھر شروع ہو گیا۔ چونکہ زیبا کے والدین ماڈرن زمانے کے تھے اس لئے عثمان کے آنے جانے پر انھوں نے کبھی اعتراض نہ کیا۔

امتحان کے بعد زیبا اور عثمان اکثر پارکوں میں گھومنے چلے جاتے، کبھی کبھی فلم بھی دیکھ لیتے۔ عثمان دل ہی دل میں زیبا کو چاہنے لگا تھا مگر اس نے کبھی اپنی چاہت کا اظہار نہیں کیا۔ سوچتا ایم۔ اے پورا کر کے پی سی ایس میں کامیاب ہو کر وہ زیبا کے سامنے اظہار محبت کرے گا۔

بی اے پاس کر کے دونوں نے ایم اے میں سوشیا لوجی میں داخلہ لے لیا۔ اسی سال عمران نے بھی ان کے ساتھ داخلہ لیا۔ وہ فتح پور کے ایس ڈی ایم کا بیٹا تھا۔ عمران کے پاس پیسوں کی کمی نہ تھی وہ کار سے کالج آتا جاتا تھا اور دوستوں پر خوب پیسے خرچ کرتا۔ زیبا پر بھی اس کی شاہ خرچی کا اثر ہونے لگا تھا۔ عمران پر بھی زیبا کے حسن کا جادو چل گیا تھا۔ عمران اب اپنی کار سے زیبا کو لے کر آتا اور اسے گھر چھوڑنے جاتا۔ عثمان دل ہی دل میں جلتا مگر خاموش رہنے کے سوا اس کے پاس اور کوئی چارہ نہ

تھا۔ زیبا اب عثمان پر کوئی دھیان نہ دیتی اور نہ ہی اس سے مخاطب ہوتی۔

عمران نے زیبا سے وعدہ کر رکھا تھا کہ پڑھائی پوری ہوتے ہی وہ اپنے والدین پر زور ڈال کر زیبا سے شادی کر لے گا۔

زیبا پوری طرح سے عمران کے رنگ میں رنگ چکی تھی یہاں تک کہ اس نے اپنے آپ کو بھی عمران کو سونپ دیا۔ اب وہ ہفتوں کالج سے غائب رہتی۔ عثمان زیبا کو برباد ہوتے دیکھ کر بہت کوفت محسوس کرتا۔ اس نے زیبا کو سمجھانے کی کوشش کی مگر زیبا پر عمران کی دولت کا نشہ سوار تھا اس نے عثمان کو جھڑک دیا۔

"آئندہ تم مجھ سے مخاطب ہونے کی ہمت بھی نہ کرنا"۔

ایم اے کا امتحان ختم ہوتے ہی زیبا نے عمران کو اس کا وعدہ یاد دلایا اور بولی "چلو تمہارے ممی پاپا سے مل لیتے ہیں"۔

عمران بولا "تم گھبراتی کیوں ہو؟ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے بس تم تھوڑا اور صبر کرو"۔

عثمان پی سی ایس کی تیاری کرنے لگا۔ ادھر عمران کا دل زیبا سے بھر چکا تھا۔ وہ اپنے والد کے کہنے پر آسٹریلیا سے ایم بی اے کرنے کے لئے تیاری کرنے لگا۔

ایک ہفتہ بعد اس کا ویزا پاسپورٹ سب تیار ہو گئے۔ عمران کے دوست اسے چھوڑنے ائیر پورٹ آئے۔

عمران کے دوست شارق نے کہا کہ "تم زیبا سے مل کر جا رہے ہو اسے تم نے بھروسہ دلایا ہوگا کہ آسٹریلیا سے لوٹ کر اس سے شادی کر لوگے"۔

عمران تپاک سے بولا "میں نے زیبا کا استعمال دل بھر کے کر لیا اور چھوڑ دیا۔

جو لڑکی شادی سے پہلے اپنے عاشق کے پہلو میں آجائے وہ اعتبار کے لائق نہیں ہوتی۔ ایسی لڑکیاں شوہر پرست نہیں ہوسکتیں۔ کچھ دنوں بعد شوہر سے طلاق لے کر نیا محبوب تلاش کرلیتی ہیں یا پھر اپنے یار کی مدد سے اپنے شوہر کا خون کروادیتی ہیں''۔

عثمان پی سی ایس میں کامیاب ہوگیا۔ اس کی پوسٹنگ کانپور میں ایس ڈی ایم کے طور پر ہوئی۔ اس کے گھر والوں نے شادی کے لئے بہت زور ڈالا مگر عثمان نے صاف انکار کردیا۔ اس کے ذہن میں ابھی تک زیبا کی تصویر زندہ تھی۔

دن گزرتے رہے۔ زیبا نے عمران کی نشانی کے روپ میں ایک لڑکے کو جنم دیا۔ سماج کے تیر، طعنے سہتے ہوئے زیبا اپنا وقت بتاتی رہی زیبا کو جھانسی میں اسکول میں پڑھانے کی نوکری مل گئی۔ زیبا اپنے لڑکے کے ساتھ جھانسی میں رہنے لگی۔

عثمان لکھنؤ سے کانپور آرہا تھا راستہ میں کار کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اور عثمان کی موقع پر ہی موت ہوگئی۔ دوسرے دن اخبار میں خبر کے ساتھ عثمان کے بارے میں یہ بھی چھپا کہ وہ کسی لڑکی سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور اسی کی چاہت میں انھوں نے شادی نہیں کی۔

زیبا نے بھی خبر پڑھی۔ وہ سمجھ گئی کہ عثمان اسی سے پیار کرتا تھا مگر وہ اس کی محبت کو سمجھ نہ سکی اور عمران کے بہکاوے میں آگئی۔

عمران اپنی کار سے بھوپال جارہا تھا۔ جھانسی کے پاس اس کی کار ایک ٹرک سے ٹکرا گئی۔ عمران کو کافی چوٹیں آئیں۔ اسے اسپتال میں بھرتی کرایا گیا۔ کئی بوتل خون چڑھنے کے بعد عمران کو ہوش آگیا۔

زیبا اپنے بیٹے کو لے کر اسپتال آگئی عمران نے زیبا کو آواز دی۔ زیبا پاس

آ کر بولی۔

''عمران میں ساری زندگی تمہارا انتظار کرتی رہتی مگر اتفاق سے ایک دن میری ملاقات شارق سے ہوگئی۔اس نے تمہارے خیالات سے مجھے آگاہ کیا۔اسی وقت سے مجھے تم سے نفرت ہوگئی ہے تم بہت گندی ذہنیت کے مالک ہو میں مانتی ہوں کہ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے جس کا خمیازہ بھگت رہی ہوں اور بدنامی کا داغ تو اب قبر میں جانے کے بعد ہی مٹے گا۔ یہ تمہاری اولاد ہے۔ چاہو تو ڈی این اے ٹیسٹ کروالو۔ چاہت میں میرے قدم ڈگمگا گئے تھے تو سن لو کسی کی چاہت کو غرض، بزدلی، کمزوری یا بدچلنی نہ سمجھنا چاہئے''۔

عمران کے ممی پاپا زیبا کی ساری باتیں سن رہے تھے۔زیبا اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔عمران اسے پکارتا رہا لیکن وہ نہ رکی عمران زور سے چیخ اٹھا۔

''زیبا واپس آجاؤ''

اور اسی چیخ کے ساتھ اس کے دل کی دھڑکنیں تھم گئیں۔

عمران کی مٹی قبرستان میں دفن کرنے کے بعد عمران کے پاپا زیبا کے پاس آئے اور بولے۔

''بہو گھر چلو عمران نے جو غلطی کی اس کا سدھار ہم کریں گے''۔

زیبا بولی''ان کے جیتے جی گھر کی دہلیز پر ہم آ نہ سکے اب ان کے مرنے کے بعد کیوں جاؤں؟ میں اپنے بیٹے کو دیکھ کر اپنا وقت کاٹ لوں گی مجھے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہے''۔

دن گزرتے رہے۔ زیبا کے بیٹے نے ایم ٹیک کرلیا اسے امریکہ میں نوکری مل گئی۔ زیبا نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی۔ مگر روشن مستقبل کی خاطر وہ ماں کو چھوڑ کر امریکہ چلا گیا اور وہیں اپنے ڈپارٹمنٹ میں ایک لڑکی سے شادی کر کے وہیں رہنے لگا۔

وقت پر لگا کر اڑنے لگا۔ زیبا کو دکھوں نے کھوکھلا کر دیا تھا وہ بیساکھی کے سہارے چلنے لگی۔ کبھی کبھی اس کی سہیلی عائشہ اس سے ملنے چلی آتی اور زیبا اس سے کہتی۔ ''عائشہ زندگی کی کشتی کی پتوار بنانے کا حق ماں باپ کا ہی ہے۔ ان کی مرضی کے بغیر اگر اپنی چاہت اور عقل سے خود پتوار تلاش کرلیا تو انجام برا ہی نکلتا ہے اور زندگی کی کشتی ہچکولے کھانے لگتی ہے۔ میں نے بھی غلطی کی تھی لیکن میں نے وقت کاٹ لیا مگر کچھ لوگ وقت سے لڑ نہیں پاتے ہیں اور ہار کر موت کو گلے لگا لیتے ہیں۔ میری عمر ۷۰ سال کی ہوگئی ہے۔ سچ ہے زندگی میں ایک غلطی کا خمیازہ کبھی کبھی انسان کو آخری وقت تک بھگتنا پڑتا ہے۔ قبر کے ساتھ ہی دفن ہوتا ہے اب تو بس میں ہوں اور میری تنہائیاں۔

چھوڑ دیں جس نے بزرگوں کی کرم فرمائیاں
اُس کی دنیا میں سدا ہوتی رہیں رسوائیاں
جس نے بھی فیروزؔ ہٹ دھرمی پہ رکھا ہے قدم
اس کو گھیرے میں لئے رہتی ہیں بس تنہائیاں

☆☆☆

’’غم کے بادلوں سے خوشی کی کرن‘‘

گھر میں شہنائیاں بج رہی تھیں۔ ہر طرف خوشیوں کا ماحول تھا۔ ڈھولک کی تھاپ پر گیت گائے جا رہے تھے۔ آج توصیف کی شادی تھی۔ لیکن اس کا دل بجھا بجھا سا تھا۔ باتھ روم سے باہر نکلتے ہی وہ بولا ’’پہلے مجھے قبرستان جانا ہے‘‘ پھر وہ اپنی کار میں بیٹھ کر قبرستان پہونچ گیا۔ وہاں شبینہ کی قبر کے پاس بیٹھ کر دعاء مانگنے لگا اور پھر اس کے صبر کا بندھن ٹوٹ گیا اور وہ زاروقطار رونے لگا۔ ’’شبینہ اگر تم کو یوں ہی چلے جانا تھا تو تم میری زندگی میں کیوں آئی تھیں؟ تمہارے بنا میری زندگی کسی خزاں سے کم نہیں ہے، تمہاری قسم نبھانے کو آج میں شادی کر رہا ہوں، لیکن میرا دل گواہ ہے کہ اس رسم سے مجھے کوئی خوشی نہیں ہے‘‘ اور پھر وہ دو سال پہلے کے ماضی میں چلا گیا۔ اس دن توصیف فیکٹری جلد ہی آ گیا اور اپنے آفس میں بیٹھ کر اس نے حاضری رجسٹر مانگا۔ کافی ورکر غیر حاضر تھے اور شبینہ تو پچھلے پانچ دنوں سے غیر حاضر تھی۔ اس نے فیکٹری کے منیجر گپتا جی کو بلایا اور بولا۔ ’’گپتا جی، دس بجنے والے ہیں۔ اور فیکٹری میں کافی لیبر ندارد ہیں۔ اتنی دیر سے آنے پر یہ لوگ کام کیا کرتے ہوں گے۔ ماہ میں تین بار لیٹ آنے والوں کو نوٹس دیجئے اور پانچ بار ایسا کرنے پر ان کو نوکری سے نکال دیجئے۔ یہ لوگ ڈیلی ویجز پر کام کرتے ہیں تو یونین بازی کا سوال ہی نہیں اٹھے گا۔ تھوڑی دیر میں سب ورکروں کے نام نوٹس ٹائپ ہو کر

توصیف کی میز پر آ گئی۔ اس نے دستخط کر کے گپتا جی کو واپس کرتے ہوئے ہدایت کی۔ '' لیجئے، یہ لیٹ آنے والے ورکروں کو دیجئے دیتے وقت ان کے آنے کا ٹائم ضرور نوٹ کر کے دستخط کرا لیجئے گا'' سب لوگوں کو نوٹس دی جانے لگی، مزدوروں میں بے چینی پھیلنے لگی۔ ایک گھنٹہ بعد شبینہ داخل ہوئی اور لگ بھگ گڑگڑاتے ہوئے بولی '' صاحب! میں پچھلے چار دنوں سے بخار میں تپ رہی تھی اس لئے فیکٹری نہ آ سکی۔ آج صبح طبیعت سدھری تو میں گھر سے ٹائم پر نکلی تھی مگر آج شہر میں ٹمپو والوں کی ہڑتال ہے ہم دو کیلو میٹر پیدل ہی چل کر آ رہے ہیں۔ مجھے آج معاف کر دیں میں کل ساڑھے نو بجے سے پہلے ہی آ جاؤں گی '' توصیف تیز آواز میں بولا ''میں وقت کی ناقدری کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ اور جھوٹے بہانے تراشنے والوں سے مجھے سخت نفرت ہے۔ تم جا سکتی ہو اور کل سے کام پر آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے'' جاتے جاتے شبینہ بھرائے لہجے میں بولی '' مجھے نوکری سے مت نکالئے۔ ہم کہیں کے نہ رہیں گے پھر مجھے نرک میں جانا پڑے گا۔ مجھے نوکری پر رکھ لیں میرا '' آسرا '' نہ چھینیں۔ ہم اس احسان کے بدلے اپنی جان تک دے سکتے ہیں '' شبینہ کے آخری الفاظ سن کر توصیف نے اسے آواز دی '' اے لڑکی رک جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم میرے لئے کیا کر سکتی ہو '' شبینہ نے چونک کر توصیف کی طرف دیکھا مگر اس کی آنکھوں میں ہوس کا دور دور تک نام نہ تھا بلکہ آنکھوں میں ایک عجب سی نمی اور مایوسی تھی۔ شبینہ نے ہمت کر کے کہا '' مالک آپ کہہ کر تو دیکھیں۔ آپ کی زبان خالی نہیں جائے گی '' توصیف نے کہا ''

پہلے تم مجھے اپنا نام بتاؤ ‘‘ ’’ جی میرا نام شبینہ ہے ‘‘ توصیف بولا ’’ دیکھو شبینہ، تم میری بات سے یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری غریبی اور مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہ رہا ہوں اور میری بات ماننا یا نہ ماننا تمہاری مرضی پر ہوگا۔ ہاں اگر تم نے میری بات مان لی تو تمہاری ہر سوچ سے زیادہ میں تم کو پیسے اور عیش و آرام دوں گا ‘‘ شبینہ بولی ’’ مالک آپ مجھے نوکری دے کر عزت سے جینے کے قابل بنا رہے ہیں تو میری یہ زندگی بھی آپ کے کسی کام آجائے تو میں اسے بھی قربان کرنے کو تیار ہوں آپ بس حکم کریں ‘‘ توصیف نہایت عاجزی سے بولا ’’ شبینہ میں بہت لاچاری اور مجبوری میں تم کو بتا رہا ہوں میری ماں کے دونوں گردے فیل ہو چکے ہیں ۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اگر جلد ان کو گردہ نہیں لگایا گیا تو یہ کسی بھی وقت کوما (لمبی بے ہوشی) میں جا سکتی ہیں اور پھر ان کی زندگی کسی قیمت پر نہ بچ سکے گی۔ اس دنیا میں میری والدہ کے علاوہ میرا اور کوئی نہیں ہے۔ والد صاحب کا چار سال پہلے انتقال ہو چکا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہماری کئی فیکٹریاں ہیں اربوں کا کاروبار ہے مگر اتنا روپیہ بھی میری ماں کو زندگی کے کچھ سال نہیں دے پا رہا ہے۔ دلی، بمبئی میں بہت سے ڈاکٹروں سے بات کی مگر میری ماں کے گردے سے موافق گردہ نہیں مل پا رہا ہے۔ یہاں تک کہ میرا ٹیسٹ بھی ہوا مگر ماں سے میچ نہیں کر رہا ہے۔ اگر تم میرے لئے کچھ کرنا چاہتی ہو تو تم سارے ٹیسٹ کروا لو۔ اگر میچ کر جائے تو میری ماں کو ایک گردہ تحفہ کے طور پر دے دو میں تم سے اپنی ماں کی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں ‘‘ شبینہ بولی ’’ بس اتنی سی بات میرے ناکارہ وجود کی کوئی بھی چیز کسی

کے کام آجائے اس سے بڑھ کر میرے لئے خوش قسمتی کیا ہوگی، بتایئے کب اسپتال چلنا ہے؟ " " اتنی جلدی فیصلہ نہ لو۔ ایک دو دن میں سوچ کر جواب دے دینا " شبینہ بولی " اب سوچنا کیا ہے؟ اور کون ہے جس سے صلاح لوں۔ اس لئے آج ہی میں نے فیصلہ لے لیا ہے کہ میں آپ کی ماں کی جان بچانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھوں گی " توصیف شبینہ کو لے کر گھر آگئے اور بولے " اب تم کو میرے ہی گھر میں رہنا ہے، تا کہ تمہاری صحت کا خیال رکھا جا سکے۔ پرسوں دلی چلیں گے وہاں ٹیسٹ کرائے جائیں گے اس کے بعد سوٹ ہونے پر آپریشن کیا جائے گا " توصیف شبینہ کو اپنی ماں کے پاس لے کر گیا وہ آرام کرسی پر بیٹھی اپنا پسندیدہ اخبار متاع آخرت پڑھ رہی تھیں۔ بیٹے کو دیکھ کر اخبار انھوں نے میز پر رکھ دیا توصیف بولا " ممی یہ شبینہ ہے میرے آفس میں کام کرتی تھی اب میں اسے اپنے گھر کی دیکھ بھال اور آپ کی ذمہ داریوں میں ہاتھ بٹانے کے لئے لے آیا ہوں اور پرسوں اس کے ساتھ ہم لوگ دلی چل رہے ہیں ان کے گردہ کا ٹیسٹ ہوگا اگر سوٹ کر گیا تو یہ اپنا ایک گردہ آپ کو دینے کے لئے تیار بھی ہیں " تیسرے دن سب لوگ دلی چلے گئے شبینہ کا گردہ توصیف کی ماں کے گردے سے میچ کر گیا اور پھر دونوں کا آپریشن کامیاب رہا۔ پندرہ دن بعد وہ لوگ گھر واپس آگئے۔ توصیف نے اپنی ماں کے ساتھ ساتھ شبینہ کی بھی دیکھ بھال کی۔ چند ہی دنوں بعد شبینہ صحت یاب ہوگئی اور ذہنی اطمینان اور سکون نے اس کے حسن کو نکھار کر رکھ دیا تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک فیکٹری میں مزدوری کرنے والی یہ لڑکی اتنی حسین، ہوشیار اور

ہنر مند تھی۔ چند ہی ماہ میں اس نے ماں کے ساتھ نوکر چاکر تک کا دل جیت لیا تھا۔ ایک دن ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا کر وہ مالکن کو بلانے آئی "اٹھیئے مالکن۔ کھانا تیار ہے" "دیکھو شبینہ، تم یہ مالکن والکن کہنا چھوڑو۔ تم مجھے امی کہا کرو۔ کیوں کہ تم نے ایک اولاد سے بڑھ کر مجھے تحفہ دیا ہے اور میری خدمت تم نے ایک بیٹی سے بڑھ کر کی ہے" شبینہ رندھے گلے سے بولی "امی کہنے کا حق دے کر آپ نے مجھے سب کچھ دے دیا ہے میں آپ کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گی" تبھی توصیف نے کمرے میں قدم رکھا "ارے میں بھی تو سنوں کون کس پر احسان کر رہا ہے احسان تو تم نے کیا ہے" میری ماں کو نئی زندگی دے کر۔ شبینہ تم کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک بتا دینا" شبینہ "آپ نے مجھے جہنم سے نکال کر فردوس میں جگہ دی ہے اور اب تو مجھے ماں بھی مل گئی ہے اب کسی چیز کی کمی نہیں ہے میری زندگی میں" توصیف (ماں سے مخاطب ہو کر) امی اب ہم لوگوں کو شبینہ کی شادی کر دینا چاہیئے۔ کوئی مناسب لڑکا مل جائے تو دھوم دھام سے ان کی شادی کر دی جائے" شبینہ "مالک میں شادی نہیں کروں گی اب میں پھر سے نرک میں نہیں جانا چاہتی" توصیف "ارے پگلی شادی کوئی نرک تھوڑی ہوتی ہے یہ تو ایک اہم فریضہ ہے" شبینہ "لیکن مجھے شادی نہیں کرنی نہیں کرنی۔ بس کہہ دیا" بات ہنسی میں ختم ہوگئی۔ شبینہ ہر وقت خوش اور مگن رہتی۔ امی کا خوب دھیان رکھتی۔ ایک دن نہا دھو کر فیروزی رنگ کا سوٹ پہنے وہ ناشتہ لگا رہی تھی آج اس کے حسن میں عجیب سا نکھار تھا توصیف بولا "ممی دیکھیئے شبینہ کتنی اچھی لگ

رہی ہے، جس گھر میں جائے گی لوگ کہیں زمین پر چاند اتر آیا ہے ‘‘ شبینہ ’’
امی مالک کے لئے رشتہ دیکھنا شروع کر دیجئے۔ اگر مرد کی آنکھیں عورت کی
خوبصورتی کا جائزہ لینے لگیں تو اس کی شادی میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ امی ہم بھی
چلیں گے دلہن پسند کرنے اور بہت خوبصورت دلہن پسند کی جائے گی ‘‘ توصیف
’’ ممی اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں شبینہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں ‘‘ ممی ’’
ارے بیٹا، اس میں اعتراض کی کیا بات ہو سکتی ہے۔ شبینہ تو ہیرا ہے اور مجھے تیری
پسند دل سے پسند ہے ‘‘ شبینہ ’’ ارے آپ لوگ یہ کیا بے سر پیر کی باتیں
کر رہے ہیں۔ کہیں پیروں کی جوتی کو سر کا تاج بنایا جاتا ہے ‘‘ توصیف ’’
آخر تمہارے انکار کی وجہ کیا ہے؟ اور پھر دلوں کے رشتے میں اونچ نیچ امیری غریبی
نہیں دیکھی جاتی ہے ہاں اگر تمہیں اور کوئی لڑکا پسند ہو تو دوسری بات ہے۔ اور اگر
ایسی بات ہے تو ہمیں بتاؤ، ہم تمہارا رشتہ وہیں پکا کر دیں گے ‘‘ شبینہ ’’ میری
نگاہ میں نہ کوئی لڑکا تھا، نہ ہے اور نہ ہی ہوگا۔ اور آپ جیسا انسان کسی خوش نصیب
لڑکی کی قسمت ہو سکتا ہے۔ آپ نے اپنی چاہت کا جو اظہار کیا ہے وہ کسی بھی لڑکی
کا سپنا ہو سکتا ہے، مگر میں مجبور ہوں، مجھے شادی ہی نہیں کرنی ‘‘ امی ’’ بیٹی شبینہ
شادی زندگی کا ایک اہم جز ہے اور اسے پورا کرنا ہم سب کا فرض ہے ‘‘ شبینہ ’’
امی، آپ نہیں جانتی میرا ماضی کیا ہے۔ میری ماں میرے پیدا ہوتے ہی مر گئی۔
باپ نے دوسری شادی کر لی۔ سوتیلی ماں نے مجھ پر ہر ظلم کئے، چودہ سال کی عمر
میں میری شادی ایک پینتالیس سال کے شخص کے ساتھ کچھ روپیوں کی خاطر کر دی۔

میرا شوہر شرابی اور عیاش قسم کا تھا چند دن اپنے پاس رکھنے کے بعد مجھے کوٹھے پر بیچ دیا
کسی طرح موقع پا کر میں وہاں سے ایک دن بھاگ نکلی اور ایک کمرہ کرائے پر لے
کر رہنے لگی اور محنت مزدوری سے اپنا پیٹ پالنے لگی لیکن یہاں بھی قسمت نے ساتھ
نہ چھوڑا۔ مکان مالک کے نوجوان لڑکے نے شراب پی کر میری مجبوری کا فائدہ
اٹھایا اور پھر آئے دن وہ میرے ساتھ زبردستی کرنے لگا اس کی دیکھا دیکھی پڑوسی
نے بھی پستول کی نال سے دھمکا کر میرے ساتھ زبردستی کی ابھی کچھ ہی دن پہلے
میں نے وہ کمرہ چھوڑا ہے اور اسی لئے میں پانچ دن فیکٹری نہ آسکی تھی مگر اس بار شاید
خوش قسمتی میرا انتظار کر رہی تھی اور اسی بہانے مجھے آپ لوگوں کا آسرا ملا اب آپ
لوگ غور کیجئے مجھ جیسی برباد لڑکی کیا آپ لوگوں کے قابل ہے۔ آپ لوگوں نے
جو مجھے سہارا دیا ہے وہی میرے زندہ رہنے کے لئے کافی ہے " توصیف " جو
کچھ تمہارے ساتھ ہوا ہے اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ سماج کا ڈھانچہ ہی
اس طرح کا ہے کہ اکیلی اور خوبصورت عورت سے سب لوگ نا جائز فائدہ اٹھانے کی
کوشش کرتے ہیں۔ اور اسی سماج میں میں تم سے شادی کرنے کو تیار ہوں "
شبینہ " صاحب مجھے تو شادی کرنی ہی نہیں ہے مگر آپ شادی ضرور کر لیجئے اور اپنی
ماں کے ارمانوں کو پورا کیجئے " وقت گزرتا رہا توصیف اسے سمجھانے کی کوشش کرتا
رہا۔ ایک دن شبینہ نے اخبار میں دیکھا کہ ایک نئی شادی شدہ لڑکی کی آنکھوں کی
روشنی چلی گئی ہے اس نے فوراً اس لڑکی کے گھر والوں سے رابطہ قائم کیا اور اسپتال
جا کر اپنی ایک آنکھ دان کر دی حالانکہ ڈاکٹروں نے اسے بہت منع کیا مگر شبینہ اپنی

ضد پراڑی رہی اس کے گھر والوں کی اطلاع دی گئی توصیف اور امی اسپتال پہونچے شبینہ کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی اور وہ ایک پلنگ پر خاموش لیٹی تھی اسے دیکھتے ہی توصیف ایک دم بولے ''شبینہ یہ تم نے کیا کرڈالا۔ اتنا بڑا خطرہ اٹھانے کی تم کو کیا ضرورت تھی '' شبینہ بولی '' بابوجی آپ مجھے اپنانے کی ضد کررہے تھے۔ اس لئے میں نے اپنے حسن کو داغدار بنالیا تاکہ آپ کو یقین ہوجائے کہ مجھے شادی نہیں کرنی ہے '' توصیف '' ارے پگلی شبینہ، میں تمہارے حسن سے مرعوب ہوکر تم سے شادی کا خواہشمند نہیں تھا۔ میرے لئے حسین لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے میں تو تمہارے اندر بسے ہوئے اچھے انسان کو اپنانا چاہتا ہوں'' اور سن لو تم اپنی دوسری آنکھ بھی کسی کو دان کردو تب بھی میں تم سے شادی کروں گا۔ اور ایسا نہ ہوسکا تو میں اور کہیں شادی نہ کروں گا یہ میری قسم ہے '' چند دنوں بعد شبینہ ٹھیک ہوکر گھر آ گئی وہ ہر وقت کالا چشمہ پہنا کرتی اور کوشش کرتی کہ توصیف سے اس کا سامنا نہ ہو۔ کیونکہ توصیف کا اصرار بڑھتا ہی جارہا تھا اور شبینہ بے بس ہوتی جارہی تھی۔ وقت گزرتا رہا ایک دن شبینہ ماں کی دوا لینے جارہی تھی سڑک پار کرتے ہوئے ایک تیز رفتار گاڑی سے اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا توصیف پر جیسے بجلی گر پڑی کافی سیریس حال میں لے کر اسے وہ نرسنگ ہوم لے کر بھاگا۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ڈاکٹروں کی انتھک کوششوں، توصیف اور اس کی امی کی دعاؤں کا کوئی اثر نہ ہوا اور شبینہ اس دنیا کو چھوڑ کر چلی گئی ہاں جاتے جاتے توصیف کو ایک ایسے بندھن میں ضرور باندھ گئی۔ اپنی آخری سانسوں کے دوران اس نے کہا '' میرے محسن،

میرے محبوب۔ میں آپ کا پیار حاصل کر کے جارہی ہوں آپ میرے قریب ہیں یہ میری خوش قسمتی ہے لیکن میں آپ کا ساتھ نہ دے سکی اس میں میری مجبوریاں تھیں اب آخری وقت اپنی اس شبینہ کی خاطر وعدہ کریں کہ آپ اپنی قسم توڑ کر کسی لڑکی سے ضرور شادی کرلیں گے آپ کو میری قسم ہے'' اچانک پاس سے آتی آوازوں سے وہ چونک اٹھا اس کے دوست اسے ڈھونڈتے ہوئے قبرستان کے اندر آگئے ارے توصیف دو گھنٹے ہوگئے تم اب تک یہاں کیا کر رہے ہو بارات جانے کا وقت ہو رہا ہے اور دولہا میاں یہاں بیٹھے ہیں۔ کیا بتائیں کیسے بتائیں میرے ارمان میرے جذبات خوشی اس مزار کے اندر دفن ہو چکے ہیں توصیف کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے لوگوں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا کھڑے ہو کر توصیف مزار کو دیکھتا ہی رہا۔ لوگوں کے ضد کرنے پر بھاری قدموں سے ان کے ساتھ چل دیا چلتے چلتے کئی مرتبہ مزار کو دیکھا اور قبرستان سے باہر نکل آیا آخر اسے شبینہ کی قسم پوری کرنی تھی۔

بن جتا ہے احسان بھی چاہت کا سبب
الطاف و کرم اور عنایت کا سبب
اخلاق خُلوص اور وفا حُسنِ سلوک
فیروز یہ چیزیں ہیں محبت کا سبب

☆☆☆

غلطی کا احساس

احمد ڈرائیور سے بولا ''رات کو مجھے اسٹیشن چھوڑ دینا۔ چنئی ایکسپریس سے میرا ٹکٹ ہے مدراس سے بھیڑی چمڑا لانا ہے۔ بوٹ فیکٹری کا مال اگلے ماہ کناڈا جانا ہے''۔

رات میں ٹرین پر سامان رکھ کر ڈرائیور سے کہا '' گھر کا خیال رکھنا ''۔

بات کرتے کرتے ٹرین چلنے لگی۔ رات کے وقت بستر پر لیٹ کر سوچنے لگا کیا اللہ کی شان ہے حویلی نما مکان ہے مگر رہنے والا کوئی نہیں ہے۔

ٹرین چنئی اسٹیشن پر رکی۔ احمد نے قلی کو آواز دی۔ قلی کے آنے پر احمد نے کہا '' میرا یہ سامان ٹیکسی تک پہونچا دو '' قلی سامان اٹھانے لگا اسی وقت احمد کی نظر اس کے ہاتھوں پر پڑی جو جلنے کے بعد سفید رنگ کے ہو گئے تھے۔

احمد نے پوچھا '' ارے تمہارے ہاتھوں میں کیا ہو گیا ہے آگ میں جلے ہوئے معلوم ہو رہے ہیں''۔

چلتے ہوئے قلی نے جواب دیا۔ ''ہاں بابو جی میرے ہاتھ آگ کی لپٹوں میں جل گئے تھے ''۔

احمد نے کہا۔ ''خیر آگ کی لپٹوں میں کیسے جل گئے تھے''۔

قلی نے کہا۔ ''بابو جی یہ بہت پرانی اور لمبی داستان ہے''۔ ٹیکسی اسٹینڈ پر

پہونچ کر قلی نے سارا سامان ٹیکسی میں رکھ دیا اور احمد سے بولا۔

" بابو جی ١٥ روپیہ دے دیں اور ذرا جلدی کریں دوسری ٹرین آنے والی ہے "۔

احمد نے قلی کے کندے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ " یہ لو ١٥ روپیہ۔ اور تم میرے ساتھ ہوٹل چلو وہاں میرا سامان میرے کمرے تک پہونچا دینا یہ لو ٣٠٠ روپیہ۔ وہاں سے چائے پی کر واپس آجانا "۔

قلی بولا ۔ آپ بہت زیادہ پیسہ دے رہے ہیں آپ مجھے صرف ١٠٠ روپیہ دیں میں آپ کا سامان ہوٹل میں آپ کے کمرے تک پہونچا دوں گا"۔

احمد نے جواب دیا۔ " میں خوشی سے یہ روپیہ تم کو دے رہا ہوں "۔ اور پھر ہاتھ پکڑ کر اسے ٹیکسی میں بٹھالیا۔

کچھ دیر بعد ہوٹل آگیا۔ ریسپشن پر ضروری کاروائی کرنے کے بعد اپنے کمرے میں احمد آگئے۔ احمد نے چائے ناشتہ کا آرڈر دیا اور قلی سے پھر وہی سوال پوچھا۔

" آپ کے ہاتھ کیسے جلے ہیں؟ "

قلی نے کہا۔ بابو جی، کئی سال پرانی بات ہے ہم یو پی کے کانپور شہر میں رہتے تھے۔ میرے پاس ایک ٹینری تھی۔ بوٹ فیکٹری میں مال تیار ہو کر ایکسپورٹ ہوتا تھا۔ ایک دن اچانک فیکٹری کے پینٹ ڈپارٹمنٹ میں کاریگر کی غلطی سے آگ لگ گئی، سولیوشن تو پٹرول سے بنتا ہے آگ پورے کمرے میں چھا گئی کاریگر سب جان بچا کر بھاگ نکلے مگر میرا لڑکا جس کی عمر ١٨ سال کی تھی انٹر کا امتحان دے چکا تھا وہ ڈر کے مارے کمرے میں رہ گیا۔ مجھے معلوم ہوا تو میں زبردستی کمرے میں گھس گیا

اور لڑکے کو کمبل میں لپیٹ کر باہر نکال لایا۔ میرا پورا جسم جل گیا تھا صرف چہرہ باقی تھا۔ مجھے نرسنگ ہوم میں بھرتی کروا دیا گیا۔ فیکٹری کا سارا کام منیجر سنبھالنے لگا۔ ہم ٹھیک ہونے کے بعد فوراً کناڈا چلے گئے۔ بیٹا ہم کاروبار میں بہت دلچسپی رکھتے تھے مگر میری بدعقلی اور بدنصیبی گھر کر آ گئی میں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ عورت کے ساتھ پیار دلار اس کے احساسات کو سمجھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ میرے دماغ میں بس پیسہ پیسہ کی دھن لگی رہتی۔ بیٹا انسان سے اگر ایک بار غلطی جان بوجھ کر یا انجانے میں ہو جاتی ہے تو زندگی بھر اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ یہی میرے ساتھ ہوا۔ اب پوری زندگی پلیٹ فارم پر سونا کھانا لکھا ہے میرا بیٹا احمد ہے اس کی بہت یاد آتی ہے۔ اکثر راتیں رو رو کر گزر جاتی ہیں''۔

احمد نے پوچھا۔''آپ کانپور چھوڑ کر یہاں کیوں زندگی گزار رہے ہیں؟''

قلی نے جواب دیا۔''ہم اپنی زندگی بچانے کی خاطر یہاں پڑے ہیں۔ اگر ہم چھنئی چھوڑ دیں تو میرا قتل ہو جائے گا۔ یہ تو اللہ نے میری زندگی لکھی تھی ورنہ مجھے قتل کرانے والا یہی سمجھ رہا ہے کہ میں مر چکا ہوں''۔

احمد نے پوچھا۔''ارے بابا آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں''۔

قلی بولا۔''ہاں بیٹا ہم پیسہ کمانے کی دھن میں مگن تھے میرا منیجر اکثر میرے گھر آتا جاتا تھا، پتہ نہیں کب اور کیسے اس کے میری بیوی سے تعلقات قائم ہو گئے۔ مجھے کچھ خبر نہ تھی۔ ایک دن اپنے ایک ملنے والے کے لڑکے کی شادی میں دہلی کار سے جانے کا پروگرام بنایا۔ ڈرائیور اور منیجر کی ملی بھگت تھی۔ ایک سنسان

جگہ پر ڈرائیور نے کار روک دی۔ کار رکتے ہی چار آدمی کار کے قریب آ گئے۔ ان لوگوں نے زبردستی مجھے کار سے اتار لیا اور ڈرائیور سے کہا۔ اب تم جا سکتے ہو۔ کار واپس ہو گئی۔ کچھ دیر بعد وہ چاروں میری طرف مخاطب ہوئے اور بتایا کہ خدا کا شکر کرو جو آج تمہاری زندگی بچ رہی ہے۔ ہم لوگوں کو دو لاکھ دیئے گئے تھے تمہارے قتل کے لئے۔ ہم لوگ آپ کی نیک دلی سے واقف ہیں کسی غریب لڑکی کی شادی طے ہو جائے تو آپ نوکروں کے ذریعہ اس کے کھانے کپڑے کا انتظام کر دیتے ہیں۔ کتنی ہی غریب لڑکیوں کی شادی کا خرچہ آپ نے اٹھایا ہے۔ اس لئے ہم آپ کا قتل نہیں کریں گے لیکن کانپور کا رخ کبھی نہ کرنا ہندوستان کے کسی بھی کونے میں نکل جاؤ وہیں اپنی زندگی بسر کر لینا۔ میرے ہاتھ پر سو سو کے نوٹ تھما کر ٹرین میں بٹھا دیا۔ تب سے بیٹا ہم چنئی کے پلیٹ فارم پر اپنی زندگی کاٹ رہے ہیں''۔

احمد نے کہا بابا میں کسی صورت سے ایم بی اے کر کے بے کار گھوم رہا تھا۔ انکل صبح و شام شراب میں ڈوبے رہتے ہیں۔ ممی بھی بے تحاشہ پینے لگی تھیں ایک دن میں نے ممی سے پوچھا، میں فیکٹری کا کام دیکھوں یا کہیں نوکری تلاش کر لوں ممی نے انکل سے بات کی۔ انکل مان گئے مگر انھوں نے ایک شرط رکھی، احمد روز آنہ شام کو ایک ہزار روپیہ مجھے دے گا اور میری شراب کا ذمہ بھی اسی کا رہے گا، اس طرح میں نے فیکٹری جانا شروع کیا، ہم بلا ناغہ ایک ہزار روپیہ اور انگریزی شراب کی ایک بوتل انکل کے ہاتھ پر رکھ دیتے۔ دن یوں ہی گزر رہے تھے ایک دن انکل اور

ڈرائیور کی کسی بات کو لے کر کہا سنی ہوگئی۔ ڈرائیور نے مجھے بتایا کہ اسی شخص نے تمہارے باپ کا قتل کروایا ہے۔ میں چپ چاپ غصہ اور غم کے جذبات کو پی گیا اور اللہ کو سارا معاملہ سونپ دیا کہ دیکھیں اوپر والا ظالم کا کیا انجام کرتا ہے۔ آخر وقت میں ممی اور انکل اتنی شراب پینے لگے کہ انکل کا ٹینری جانا مشکل ہوگیا۔ اب میرے اوپر ٹینری کی دیکھ بھال کا ذمہ بھی آگیا۔

ممی کے اصرار پر گرمیوں میں انکل ممی کو لے کر دہرہ دون کے لئے نکلے انکل کار خود ہی چلا رہے تھے۔ اچانک کار ۱۵۰ فٹ گہری کھائی میں گر پڑی اور کار میں آگ لگ گئی۔ ہم جائے حادثہ پر پہونچے۔ کار ایک دم کالی ہوچکی تھی۔ لاشیں جل کر راکھ ہوچکی تھیں۔

بابا، آپ پریشانیوں اور الجھنون میں دب چکے ہیں آپ کی نظریں بھی کمزور ہوچکی ہیں۔ میں ہی آپ کا بیٹا احمد ہوں "۔

دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر رونے لگے۔ کچھ دیر بعد احمد نے بابا کے آنسو پونچھے اور بولا۔

" بابا ظلم کرنے والا دنیا میں زیادہ دن زندہ نہیں رہتا۔ اللہ کی مخلوق پر ظلم کرنے والوں کو دین اور دنیا میں سزا ملتی ہے۔ بابا آپ میرے ساتھ کانپور چلیں اور آرام سے رہیں "۔

دونوں کانپور آگئے احمد بابا کو فیکٹری لے گیا۔ وہاں کچھ لوگ جاننے والے نکل آئے۔ جوان کو زندہ سلامت دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

شام کو دونوں نے ساتھ ساتھ کھانا کھایا۔ بابا نے کہا۔

'' احمد اب تم بڑے ہو گئے ہو۔ اگر تمہاری ماں زندہ ہوتیں تو اپنے لئے بہو تلاش کرتیں مگر اب تو وہ اس دنیا میں نہیں ہیں کہیں تم مجھے بتاؤ تمہاری نگاہ میں کوئی لڑکی ہے جو اس گھر کی بہو بن سکے ''۔

احمد نے کہا۔ '' ارے نہیں بابا، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ جہاں بھی رشتہ طے کریں گے مجھے منظور ہوگا ''۔

بابا بولے۔ '' بیٹا تم مجھے اختیار دے رہے ہو تو ہم خوبصورت، نیک سیرت اور پڑھی لکھی بہو لائیں گے لیکن بیٹا سکہ رائج الوقت پیسہ کمانے کے چکر میں بہو کو نظر انداز نہ کرنا ہر بیٹی اپنے ماں باپ بھائی بہن کو چھوڑ کر آتی ہے وہ اپنے شوہر کے دلار، پیار اور جذبات میں ڈوب جانا چاہتی ہے اگر اس کے احساس کو ٹھیس لگتی ہے تب شادی خانہ آبادی نہ ہو کر خانہ بربادی ہو جاتی ہے۔

احساس ندامت بھی انسان کا حصہ ہے
آدم کی بدولت ہی انسان نے پایا ہے
جس شخص کی آنکھوں میں ہوں اشک ندامت کے
فیروز زمانے میں وہ شخص ہی اچھا ہے

☆☆☆

قدرت کا کھیل

رئیس کا بلرام پور کے رؤساء میں شمار ہوتا تھا۔ وہ تحصیل اتر ولہ کے چیئر مین بھی تھے۔ اشفاق نے آٹھویں کلاس فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا۔ اس نے پورے ڈسٹرکٹ میں ٹاپ کیا تھا۔ پورے شہر میں اس کے نام کا چرچا ہوا۔ رئیس نے اسے اپنے گھر بلایا۔اور بولے "تم نے اس شہر کا نام روشن کیا ہے۔ اب تمہاری پڑھائی کے ساتھ ساتھ تمہارا خرچ بھی میرے ذمہ ہے۔ خوب دل لگا کر پڑھائی کرنا" اور پھر اس کی جیب میں ۵۰۰ کا نوٹ ڈال دیا اشفاق سلام کر کے باہر آ گیا۔

اشفاق نے لکھنؤ سے بی ایس سی پاس کیا اور پھر کانپور آ گیا۔ وہاں جاجمؤ کی ایک ٹینری میں منیجر کی نوکری کرنے لگا۔ دھیرے دھیرے اس نے مکان خرید لیا۔ شادی بھی کر لی۔ دھیرے دھیرے ٹینری کرائے پر لے کر کام کرنے لگا۔ خدا اس پر مہربان تھا دن گزرتے دیر نہ لگی اس نے خود ایک ٹینری خرید لی اور اس کی ٹینری کا بنا چمڑا ایکسپورٹ ہونے لگا۔ عالی شان بنگلہ بنوایا کئی کاریں خرید لیں۔ اپنے بیٹے انور کا نام انگلش اسکول میں لکھوا دیا۔ وقت گزرتا رہا۔ انور نے انٹر پاس کر لیا اور ڈی اے وی کالج میں داخلہ لے لیا اس کو ڈاکٹر بننے کی بہت خواہش تھی اور اسی حساب سے اس نے اپنے مضمون لے رکھے تھے۔

انور کے ساتھ ماہ پارہ اور نکہت نام کی دو لڑکیاں بھی پڑھتی تھیں۔ دونوں

پکی سہیلیاں تھیں۔ ماہ پارہ بہت خوبصورت تھی جب کہ نکہت اوسط درجہ کی تھی۔ ماہ پارہ سدھارتھ نگر کی رہنے والی تھی۔ کانپور میں وہ اپنے رشتہ کی خالہ کے یہاں رہتی تھی۔ انور کار سے آتا جاتا تھا۔ وہ اکثر ماہ پارہ اور نکہت کو گھمانے لے جایا کرتا۔

ایک دن انور ماہ پارہ کو اپنے گھر لے آیا اور اپنی ماں سے بولا۔

'' ممی میں نے ماہ پارہ سے وعدہ کیا ہے کہ میں اس کو اپنی شریک حیات بناؤں گا یہ میرے دل کا سکوں۔ راحت اور ارمان ہے۔ ماہ پارہ نے بھی قسم کھائی ہے کہ وہ صرف مجھ سے ہی شادی کرے گی ''۔

ماں نے ماہ پارہ کو گلے لگالیا اور ڈھیروں دعائیں دیں۔ کچھ دیر بعد کار ماہ پارہ کے گھر کے سامنے پہونچی۔ ماہ پارہ مسکراتی ہوئی گھر میں داخل ہوگئی۔

دوسرے دن کالج میں ماہ پارہ نے ساری داستان نکہت کو سنائی۔ نکہت بولی۔

'' مبارک ہو، تمہیں تمہارا من پسند شوہر ملنے والا ہے جو خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ امیر باپ کی اکلوتی اولاد بھی ہے۔ تم میرے لئے بھی دعا کرو کہ ایسا ہی رشتہ مجھے بھی نصیب ہو ''۔

دونوں سہیلیاں ہنسنے لگیں۔

پی ایم ٹی میں انور کو داخلہ نہ مل سکا ماہ پارہ پاس ہوگئی اسے کانپور میڈیکل کالج میں داخلہ ملا۔ انور نے ایم ایس سی میں داخلہ لے لیا۔ نکہت اپنے گاؤں چلی گئی۔ وہاں ایک اسکول میں پڑھانے لگی۔

انور اور ماہ پارہ کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ وہ اکثر ماہ پارہ کو اپنے گھر بھی لے آتا تھا۔ انور نے ایم ایس سی کرلیا۔ اشفاق نے لیدر ٹیکنالوجی کا کورس

کرنے کے لئے انور کو تین سال کے لئے اٹلی بھیج دیا۔ انور کی مرضی نہیں تھی مگر باپ کی ضد کی آگے اس کی کچھ نہ چلی۔

ماہ پارہ نے ڈاکٹری کی پڑھائی پوری کر لی۔ اور مراد آباد میں پوسٹنگ ہوگئی وہ اکثر انور کے بارے میں سوچتی ہوسکتا ہے وہاں انھوں نے کسی سے شادی کر لی ہو۔ پھر اللہ پر بھروسہ کر کے کام پر لگ جاتی۔

تین سال گزر گئے۔ انور اپنی پڑھائی پوری کر کے واپس آ گیا تھا۔

ایک دن اشفاق لان میں بیٹھے پیپر پڑھ رہے تھے تبھی دربان نے آ کر بتایا ''کوئی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ بلرام پور تحصیل اترولہ سے رئیس صاحب کانپور آئے ہوئے ہیں اور انھوں نے آپ کو بلایا ہے ''۔

اشفاق نے اس آدمی کو اندر بلوایا اور ڈرائنگ روم میں بیٹھایا۔ اس شخص نے بتایا۔

'' میرا نام عمران ہے۔ رئیس صاحب میری بہن کے سسر ہیں۔ ان کے بڑے بیٹے یعنی میرے بہنوئی حامد بہت بیمار ہیں۔ بلرامپور کے سبھی ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ رئیس صاحب اسے لے کر کانپور آ گئے ہیں۔ انھوں نے آپ کو بلایا ہے کیونکہ یہاں کے بارے میں ان کو جانکاری نہیں ہے ''۔

چائے پی کر اشفاق نے گاڑی نکلوائی اور انور سے بولے۔

'' بیٹا تم ٹینری چلے جانا۔ کچھ باہر سے خریدار آ رہے ہیں۔ میں رئیس صاحب سے ملنے جا رہا ہوں وہ میرے رہبر، محسن اور مددگار ہیں۔ انھیں کی بدولت میں آج اس مقام پر ہوں۔ ان کے بیٹے حامد کی طبیعت خراب ہے میں ان کے

پاس جارہا ہوں "۔

رئیس اشفاق کو گلے لگا کر رونے لگے۔ اشفاق بولا۔

"آپ پریشان مت ہوں اللہ پر بھروسہ رکھیں ہم کسی قسم کی کسر نہ چھوڑیں گے۔ اگر ڈاکٹروں نے پردیس جانے کی صلاح دی تو وہاں بھی ہم لے کر جائیں گے"۔

اشفاق رئیس اور حامد کو لے کر ڈاکٹر کے بنگلے پہونچ گئے۔ ڈاکٹر نے سی ٹی اسکین اور کچھ جانچیں لکھیں۔ اشفاق ڈاکٹر کی فیس دے کر باہر نکل آئے اور سب کو لے کر اپنے گھر آگئے، بولے۔

" یہ گھر آپ کا ہے۔ ہم آپ کے ہیں۔ آپ آرام سے یہاں رہئے "

رئیس کچھ روپئے اسے دینے لگے مگر اشفاق نے واپس کرتے ہوئے کہا۔

" آپ نے میرے الفاظ پر دھیان نہیں دیا۔ جب ہم آپ کے ہیں تو جو کچھ میرا ہے وہ آپ کا بھی ہے۔ پھر آپ مجھے پیسہ کیوں دے رہے ہیں "۔

رات میں سب لوگ کھانا کھا کر سو گئے۔

دوسرے دن سب رپورٹ لے کر ڈاکٹر کو دکھانے لے گئے۔ ڈاکٹر نے بمبئی لے جانے کا مشورہ دیا۔

شام کو رئیس، حامد، حامد کی بیوی اور اشفاق لکھنؤ پہونچ گئے اور فلائٹ سے بمبئی پہونچ گئے۔ وہاں پر بھی اشفاق کا فلیٹ تھا۔ وہاں سب لوگوں نے رات میں آرام کیا۔

دوسرے دن بریچ کینڈی اسپتال میں حامد کو دکھایا گیا۔ ڈاکٹروں کی ٹیم نے حامد کا معائنہ کیا اور بولے "کیس بہت پیچیدہ ہے" آپریشن کرنا پڑے گا لیکن اس میں زندگی کا خطرہ ہو سکتا ہے اس کا رسک آپ لوگوں کو لینا پڑے گا "۔

حامد یہ سن کر رونے لگا ''ابا اگر میں نہ رہا تو میری بیٹی کا کیا ہوگا؟

'' ابا تم میری بیٹی کی شادی بہت دھوم سے کرنا اسے باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دینا ''۔

حامد کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے '' ابا ہم کو ہمارے داماد کا چہرہ دکھادو صرف نکاح ہو جائے۔ تو میں اطمینان سے آپریشن کرالوں گا''۔

اپنے بیٹے کو زار و قطار روتے دیکھ کر رئیس بھی رونے لگے وہ اشفاق سے التجا کر بیٹھے '' میرے بیٹے حامد کو دلی سکون دینا چاہتے ہو تو میری پوتی کا نکاح اپنے بیٹے سے کرادو۔ حامد کی بیٹی قبول صورت ہے، پڑھی لکھی ہے اور گھر گرہستی کے کاموں میں بھی ماہر ہے۔ وہ حامد کی اکلوتی اولاد ہے اسی لئے وہ اس کے لئے پریشان ہے ''۔

رئیس کی بات سن کر اشفاق سوچ میں پڑ گئے۔ اپنے لاڈلے بیٹے کی ساری زندگی کا فیصلہ یوں اچانک کرنے کی بات انھیں پریشان کر رہی تھی چند منٹوں کی گہری سوچ کے بعد وہ بولے۔

''ہم تیار ہیں، اور میری مرضی میرے بیٹے کو ماننا پڑے گی''۔

اور اگلے ہی لمحہ انھوں نے اپنے گھر فون کر انور اور اپنی بیوی کو بمبئی بلایا۔ دوسرے دن وہ لوگ بمبئی پہونچے۔ شام کو سب لوگوں نے اس بارے میں بات کی۔ انور کے چہرے کا رنگ اتر گیا کیونکہ وہ ماہ پارہ کو چاہتا تھا اور اس سے وعدہ بھی کر چکا تھا۔ ماں بھی یہ بات جانتی تھی۔ مگر اپنے شوہر کی زبان کی خاطر وہ بیٹے سے بولیں۔

'' انور میں جانتی ہوں یہ تمہارے لئے بہت مشکل لمحہ ہے لیکن شاید یہی

اللہ کی مرضی ہے۔ تمہیں تمہاری ماں کا واسطہ اپنے ابا کی زبان کی لاج رکھ لو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ وہ جو کچھ کرے گا تمہارے لئے بہتر ہوگا ''۔

ماں کی بات انور ٹال نہ سکا اور اس نے حامی بھر لی۔ رئیس نے اپنے گھر فون کیا۔ اور گواہوں اور وکیلوں کی موجودگی میں فون پر انور کا نکاح حامد کی بیٹی سے ہوگیا۔

دوسرے دن حامد کا آپریشن ہوا۔ آپریشن کامیاب رہا۔ دس دن بعد سب لوگ کانپور لوٹے۔ ایک ہفتہ اشفاق کے یہاں رکے پھر اشفاق نے کار سے سب کو ان کے گھر بھیج دیا۔ جاتے وقت بولے۔

'' حامد شادی کی تاریخ جلد ہی طے کر لینا۔ ہم کاروں سے ۵۰ لوگ رخصتی کو آئیں گے اور کار ہی سے بہو کو وداع کرا لائیں گے۔ خیال رکھنا جہیز کا سامان کچھ بھی نہ رہے اللہ کا دیا ہوا ہمارے پاس سب کچھ ہے ہو سکے تو اگلے ہفتہ کی تاریخ رکھ لو ''۔

اگلے ہفتہ بارات اترولہ پہونچ گئی۔ وہ لوگ بارہ بجے وہاں پہونچے تھے دوپہر کا کھانا کھایا اور دو بجے تک دولہن رخصت ہوگئی اسے لے کر ۹ / بجے رات سب لوگ کانپور پہونچ گئے۔

رات میں گیارہ بجے انور دولہن کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ آج بہت اداس تھا۔ ماہ پارہ سے وعدہ پورا نہ کرنے کا اسے افسوس تھا۔ باپ کی زبان کی لاج رکھنے کو اس نے اپنی زبان کی قربانی دے دی تھی۔ شاید خدا کو یہی منظور تھا۔

اس نے دولہن کے ہاتھ میں ایک لفافہ پکڑا دیا اور بولا '' یہ مہر کی رقم۔ آپ جو بھی جیسی بھی ہیں اب میری شریک حیات ہیں۔ اور ان شاء اللہ میری ذات سے آپ کو کبھی شکایت نہ ہوگی۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ خوش رہیں ''۔

اور پھر اس نے سکڑی سمٹی بیٹھی دولہن کا گھونگھٹ اٹھادیا اور اگلے ہی لمحہ وہ چونک اٹھا۔ سامنے نکہت اس کی دولہن کے روپ میں بیٹھی تھی۔

دونوں بیتے زمانہ کی، ماہ پارہ کی باتیں کرنے لگے کافی وقت بیت گیا۔ انور بولا صبح ہونے والی ہے تھوڑا آرام کرلیا جائے'' اور اس نے بتی گل کردی اور ایک دوسرے کی آغوش میں دنیا سے بے خبر ہوگئے۔

وقت گزرتا رہا نکہت کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ بڑا ہونے پر اس کا نام انگلش اسکوم میں لکھایا گیا۔ نکہت کے پیٹ میں درد رہنے لگا۔ جانچ کرائی تو پتہ لگا اسے جگر کا کینسر ہے اسے بمبئی کے جے کے اسپتال میں بھرتی کرایا گیا۔ وہاں اس کو بہت تیز درد اٹھا۔ جب تک ڈاکٹر کچھ سمجھ پاتے اس کا انتقال ہوگیا۔ انور پر تو جیسے غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ بدحواس ہوکر بچے کا ہاتھ پکڑے ڈاکٹر کے کمرے سے ڈسچارج سلپ اور موت کا سرٹیفکٹ لے کر نکل رہا تھا کہ ایک لیڈی ڈاکٹر سے اس کی ٹکر ہوگئی۔ وہ '' سوری '' کہہ کر جیسے ہی مڑا سامنے اپیری پہنے ماہ پارہ کھڑی تھی انور ایک ہی سانس میں ماہ پارہ کو ساری داستان سنا گیا۔ ماہ پارہ نے بچے کو گود میں اٹھالیا اور انور کے ساتھ چلنے لگی۔

جُدا ہو کر بھی راہیں بولتی ہیں
یہ سرد و گرم آہیں بولتی ہیں
یہی ہے تجربہ فیروز میرا
زباں چپ ہے تو آنکھیں بولتی ہیں

☆☆☆

محنت اور صبر کا صلہ

شاہد کا تبادلہ جون پور سے کانپور ہوگیا ہے۔ آج شاہد کا پہلا دن ہے اپنے چیمبر سے نکل کر اجلاس کی کرسی پر بیٹھے ہی تھے کہ ایک مقدمہ کی فائل پیشکار نے سامنے پیش رکھی۔ مقدمہ لڑکے کی طرف سے طلاق لینے کا تھا۔ طلاق لینے کا مقصد یہ تھا کہ جو لڑکا اب چار سال کا ہے وہ عزیز کا لڑکا ہے ہی نہیں عزیز نے کورٹ میں درخواست دی کہ شادی کے سات مہینے بعد ہی یہ لڑکا ہوا تھا۔ اس لئے یہ مرا لڑکا نہیں ہے۔ تبھی سے عزیز اپنی بیوی مہ جبیں سے الجھ گیا۔ گھر میں خلفشار پیدا ہونے لگا۔ کچھ ہی مہینے بعد مہ جبیں اپنے مائکہ چلی آئی۔ لڑکی والوں نے بھی جہیز کے لئے اور بیجا مار پیٹ کا کورٹ میں مقدمہ داخل کر دیا۔ شاہد نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ مہ جبیں اور اس کا لڑکا اور اس کے باپ اجلاس میں موجود تھے۔ لڑکی کے وکیل نے کہا کہ حضور بیان سب ہی کے ہو چکے ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو بیان دوبارہ لے سکتے ہیں۔ شاہد نے غور سے فائل کا معائنہ کیا۔ شاہد نے کہا ڈی این اے ٹیسٹ کیوں نہیں کرایا گیا۔ شاہد نے کہا کہ مہ جبیں کو اور اس کے لڑکے کو اور شوہر کو جیپ میں بیٹھا کر صدر اسپتال سی ایم او کے پاس ڈی این اے ٹیسٹ کرانا ضروری ہے شاہد عزیز سے مخاطب ہوا اور کہا ڈی این اے ٹیسٹ کے بعد تم میرے چیمبر میں آکر ملاقات کرو۔ شاہد رہلمد سے بولے آج سب ہی فائلوں میں اگلی ایک ہفتہ کی تاریخ لگا دو۔ شاہد

خود اپنی کار لے کر ان لوگوں کو صدر اسپتال سی ایم او کے پاس لے آئے۔ شاہد نے عزیز کا بلڈ مہ جبیں کا بلڈ اور لڑکے کا بلڈ لے کر ڈاکٹر سے کہا کہ ان کا ڈی این اے ٹیسٹ کرنا لازمی ہے۔ کل صبح رپورٹ مل جانا چاہئے۔ احمد سبھی لوگوں کو کورٹ واپس لے آیا۔ شاہد نے بھی ڈاکٹر سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب میرا بھی بلڈ لے لیجئے کہیں یہ لڑکا میرا تو نہیں ہے۔ شاہد اپنا بلڈ دے کر کورٹ واپس لوٹ آئے۔ اپنے چیمبر میں گھستے وقت شاہد نے کہا پروفیسر عزیز اندر آ جاؤ۔ شاہد کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا پروفیسر عزیز ''تم مہ جبیں کو رکھنا چاہتے ہو یا نہیں'' عزیز نے کہا کہ حضور آپ میری طلاق مہ جبیں سے کرا دیں مجھے اِس کا چہرہ دیکھ کر کڑھن اور الجھن پیدا ہوتی ہے۔ شاہد نے ایک کاغذ عزیز کے ہاتھ میں دیا اور بولا تم اس کاغذ پر تین مرتبہ لکھو کہ ہم اپنی بیوی مہ جبیں سے چھٹکارا لینا چاہتے ہیں۔ اس لئے طلاق دے رہا ہوں عزیز نے تین مرتبہ طلاق دی۔ طلاق دی۔ طلاق دی لکھ کر شاہد کو کاغذ دے دیا۔ کاغذ کو دراز میں رکھ کر شاہد کے دل و دماغ میں پرانی یادیں ابھر آئیں۔ میں بہت غریب خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ میری ماں پردھان کے گھر جا کر جھاڑو برتن اور کنویں سے پانی نکال کر لانا اس کام کو کرنے کے لئے بہت صبح گھر سے کام پر چلی جاتی تھیں دن ڈھلے گھر لوٹتیں گھر کا بچا کھچا کھانا اپنے ساتھ لے آتی تھیں والد صاحب پردھان کے کھیت میں جوتنے کا کام کرتے تھے۔ پردھان کا بچا کھچا کھانا تینوں لوگ کھا لیتے تھے۔ شاہد لالٹین کی روشنی میں اپنے اسکول کی پڑھائی کرتا تھا۔ شاہد کی محنت رنگ لائی آٹھویں کلاس میں اچھے نمبروں سے پاس ہوا پھر تحصیل

اترولہ، ضلع بلرامپور کے کے جی انٹر کالج میں داخلہ لیا۔ شاہد چھوٹے کلاس کے بچوں کا ٹیوشن پڑھانے لگا۔ اپنی کتابیں اور کالج کی فیس کا خرچ نکال لیتا تھا۔ کچھ دن بعد اترولہ میں ہی اس نے رہنے کی جگہ لے لی۔ پیدل آنے جانے کا وقت بھی بچ گیا۔ ہائی اسکول میں فرسٹ ڈویزن پاس ہوا۔ انٹر میں بھی شاہد کے مارکس اسی (۸۰) پرسینٹ آئے شاہد نے لکھنؤ یونیورسٹی میں بی ایس سی میں داخلہ لے لیا۔ یہاں بھی آکر وہ ٹیوشن کرنے لگا اور اپنا خرچ نکالنے لگا۔ اس کے کلاس میں مہ جبیں نام کی لڑکی پڑھتی تھی۔ مہ جبیں اکثر شاہد سے بات کرنے کا موقع تلاش کرتی۔ شاہد بھی مختصر بات کرتا اور آگے بڑھ جاتا۔ مہ جبیں سوچتی کلاس کے سبھی لڑکے میرے قریب آنے کی سوچتے ہیں مگر ہم شاہد کی طرف مخاطب ہونا چاہتے ہیں تو وہ مجھ سے کنی کاٹتا ہے۔ یہ کس مٹی کا بنا ہے اور کس موڈ میں رہتا ہے۔ ذرا دیر میرے پاس رکنا اس کو گوارا نہیں مگر شاہد اپنی حیثیت اور حالات سے پوری طرح واقف تھا وہ نہ تو کینٹین میں بیٹھتا اور نہ ہی کالج کے کسی پروگرام میں شامل ہوتا کیونکہ اس کو ٹیوشن پڑھانے کی وجہ سے وقت کم رہتا تھا۔ ٹیوشن ہی اس کے خرچ کا ذریعہ تھا۔

شاہد کا امتحان ختم ہو گیا اُس نے گاؤں نہ جا کر لکھنؤ ہی میں ایک فیکٹری میں پارٹ ٹائم سروس کر لی اور فیکٹری مالک سے کہا جب میرا کالج کھل جائے گا تب میں کام چھوڑ دوں گا۔ بچوں کو ٹیوشن پڑھاتا ہوں۔ فیکٹری مالک نے کہا تم میرے بچوں کو بھی ٹیوشن پڑھا دیا کرو۔ شاہد کا رزلٹ آیا وہ بہت اچھے نمبروں سے پاس ہو گیا۔ شاہد نے بی ایس سی کے دوسرے سال میں داخلہ لے لیا۔ شاہد کو اپنی پڑھائی

اور ٹیوشن سے کام رہتا۔ مہ جبیں ایک دن موقع نکال کر شاہد سے مخاطب ہوئی۔ شاہد ایک ہی منٹ میں بولا ہم جلدی میں ہیں پھر ملیں گے کیونکہ اس کو ٹیوشن پڑھانے جانا تھا۔ مہ جبیں یہ سن کر جل اٹھی۔

دوسرے دن مہ جبیں نے کلاس کے دوسرے لڑکے امتیاز سے دوستی کر لی۔ وہ اس کا کلاس فیلو تھا۔ اب اکثر مہ جبیں امتیاز کے ساتھ کینٹین میں جاتی۔ کیونکہ مہ جبیں کے والد کے پاس فیکٹری، بہت بڑا بنگلہ اور کئی کاریں بھی تھیں۔ مہ جبیں اپنی نجی کار سے کالج آتی تھی شام کو اسی کار سے گھر واپس جاتی تھی خرچ کے معاملے میں سبھی سے زیادہ فراخ دلی سے سے پیش آتی اور سب سہیلیوں کا خرچ خود اٹھاتی اسی لئے سب سہیلیاں اس کے ساتھ رہتیں۔ اب امتیاز کو بھی کار میں بٹھا لیتی اور ساتھ میں سہیلیاں بھی رہتی تھیں۔ شاہد ان باتوں سے بے پرواہ رہتا کہاں کیا ہو رہا ہے اس نے سوچنا گوارا بھی نہیں سمجھا۔

دوسرے سال کا امتحان ختم ہو گیا اور شاہد اچھے نمبروں سے پاس ہو گیا۔ شاہد نے سوچا گاؤں چل کر ماں باپ سے ملاقات کر لیں وہ چھٹی میں اپنے گاؤں چلا آیا۔ گاؤں بن کسیا میں مٹی کی دیوار اور پتاور کا چھپر تھا۔ اتنا پیسہ بھی نہیں تھا کہ کھپرے کا مکان بن جائے شاہد رات کا کھانا کھا کے سوچتے سوچتے سو گیا۔ رات کو کافی تیز بارش ہوئی چھپر سے پانی ٹپکنے لگا صبح والد صاحب کے ساتھ ہاتھ بٹا کر چھپر کو ٹھیک کیا۔ کچھ دن بعد لکھنؤ واپس آ گیا۔ بی ایس سی کے تیسرے سال میں شاہد نے داخلہ لیا مہ جبیں کو سلام کر کے اپنے کلاس میں آ گیا کافی دنوں کے بعد مہ جبیں موقع دیکھ کر شاہد کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ شاہد تم کس مٹی کے بنے ہو ہم نے تم کو جلانے کی

خاطر امتیاز کو لفٹ دی تاکہ تم میرے قریب آجاؤ مگر میری بدنصیبی تمہارے چہرے پر کوئی تاثرات نظر نہیں آئے۔ شاہد بولا مہ جبیں تم کو نہیں معلوم ہم بہت ہی غریب خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ لکھنؤ میں ٹیوشن کر کے اپنا خرچ چلا رہے ہیں۔ میری ماں گرام پردھان کے گھر جا کر چوکا برتن کرتی والد صاحب پردھان کا کھیت جوتتے ہیں۔ ہم خود ہی دلدل سے نکلنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اب تم ہی سوچو ہم کہاں کینٹین میں بیٹھ سکتے ہیں اور کتنا خرچ کر سکتے ہیں شاہد نے کہا مہ جبیں تم برا مت مانو تمہارے ساتھ ساتھ دو قدم چلنے پر میرے دوست یار یہ طعنہ ماریں گے کہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند جا رہا ہے مہ جبیں نے شاہد سے کہا کہ ایک بات کا وعدہ کرو ہم ایک اچھے دوست بن سکتے ہیں۔ شاہد نے کہا کہ یہ میرا آخری سال ہے ہم پی سی ایس کے اگزام میں بزی ہو جائیں گے کالج بند ہو جائے گا ہو سکتا ہے کہ ملاقات بھی نہ ہو سکے۔ مہ جبیں بولی اچھے دوست بن کر کچھ دن گزار لیں کل کیا ہوگا یہ اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔ جو نہ تمہیں پتہ ہے اور نہ مجھ کو معلوم ہے۔ مہ جبیں نے زبردستی شاہد کا ہاتھ پکڑ کر اپنی گاڑی میں بٹھا لیا اور اپنی سہیلی کے گھر لے گئی وہاں پر مہ جبیں کو بہت ہی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ڈرائنگ روم میں دونوں کو بٹھا کے سہیلی چائے بنانے چلی گئی۔ موقع دیکھ کر مہ جبیں اٹھی اور شاہد کے قریب جا کر بہت زور سے شاہد کا بوسہ لے لیا شاہد اس حرکت پر ایک دم بھوں چکا سا ہو گیا۔ مہ جبیں مسکرانے لگی شاہد اب ہم اچھے دوست بن گئے ہیں۔ کل کیا ہوگا دیکھا جائے گا۔

مہ جبیں کی سہیلی چائے وناشتہ لے کر آ گئی، سہیلی کی ممی بھی آکر ڈھیروں دعائیں دے کر باہر نکل گئیں۔ چائے پیتے پیتے مہ جبیں بولی آج سے شاہد میرے بہت ہی قریب اور اچھے دوست بن گئے ہیں۔

کچھ ہی دیر بعد شاہد اپنے کوارٹر کے سامنے اتر گیا۔ اور مہ جبیں اپنی کار سے گھر چلی گئی رات کو بستر پر لیٹتے وقت سوچتے سوچتے مسکرانے لگی کہ آج شاہد میرا ہو گیا ‘‘ وقت گزرتا رہا شاہد اور مہ جبیں بے تکلف ہو گئے۔ چونکہ مہ جبیں نے شاہد کا کمرہ دیکھ لیا تھا کالج کا امتحان ختم ہو گیا شاہد نے پی سی ایس کی تیاری شروع کر دی موقع محل دیکھ کر مہ جبیں اکثر شاہد سے ملاقات کرتی رہی۔ ایک دن مہ جبیں کے سر پر شیطان سوار ہو گیا بہت ہی بے تکلفی اور جذبات میں شاہد سے مل بیٹھی اور شاہد سے بولی اب تم میرے شوہر بن گئے ہو وعدہ بھی کیا کہ میں تم سے ہی شادی کروں گی تمہاری کامیابی کا انتظار کروں گی تم پی سی ایس کے سلیکشن میں ضرور کامیاب ہو گے ایک رات مہ جبیں نے اپنی ماں سے شاہد کے بارے میں ذکر کیا کہ شاہد میرا کلاس فیلو ہے مجھے بے پناہ چاہتا ہے۔ ہم شاہد سے ہی شادی کریں گے۔ ماں نے شاہد کے خاندان اور حیثیت کے بارے میں پوچھا مہ جبیں نے کہا وہ غریب خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ مہ جبیں کی ماں نے اپنے شوہر سے شاہد کے بارے میں بات کی۔ مہ جبیں کے والد کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور بیوی سے بولے کہ یہ رشتہ ناممکن ہے۔

دوسرے دن صبح مہ جبیں کے والد اپنے دوست سے ملنے گئے اور مہ جبیں کے رشتے کے بارے میں ذکر کیا ان کے دوست نے مشورہ دیا کہ ایک عزیز نام کا لڑکا جو کہ جون پور میں ڈگری کالج میں پروفیسر ہے تم چاہو تو ہم اس کے والد کو رشتے کے لئے بلا لیں۔ اسی وقت فون کیا گیا اور عزیز کے والد تشریف لے آئے اسی دن شام کو مہ جبیں کی بات چیت پکی ہو گئی اور ایک ہفتہ بعد مہ جبیں کی شادی ہو گئی مہ

جبیں وداع ہوکر اپنی سسرال چلی گئی شاہد پی سی ایس میں کامیاب ہوکر جون پور میں کورٹ میں مجسٹریٹ بن گیا۔

عزیز کے یہاں لڑکا پیدا ہوا، عزیز کے والدین بہت خوش ہوئے، مگر عزیز سوچنے لگا لڑکا سات مہینے میں پیدا ہوا، مہ جبیں کے پہلے سے کسی سے تعلقات ہوگئے ہوں گے، یہ لڑکا اُسی کا ہے عزیز دھیرے دھیرے مہ جبیں سے ہر وقت لڑنے کو تیار رہتا، مہ جبیں کا دن رات کٹنا مشکل ہوگیا تب عزیز نے کورٹ میں درخواست دی کہ میرا مہ جبیں سے طلاق کرا دیں کیونکہ لڑکا کسی دوسرے شخص کا ہے، عزیز کے وکیل نے کہا ہم کوشش کر کے جلد ہی طلاق دلا دیں گے اب کورٹ میں درخواست دی گئی، کئی تاریخوں بعد بلڈ ٹیسٹ کے لئے سی۔ ایم۔ او کے یہاں بلڈ ٹیسٹ کے لئے عزیز اور لڑکے کا بلڈ لیا گیا شاہد کو شک ہوا کہیں یہ لڑکا میرا تو نہیں ہے اس لئے اکیلے جا کر اپنا بلڈ سی۔ ایم۔ او کے یہاں دیا اور کہا ڈاکٹر صاحب دونوں رپورٹیں جلدی دے دیں۔

دوسرے دن عزیز کورٹ میں حاضر ہوا۔ مہ جبیں اس کا لڑکا اور والد بھی اجلاس میں موجود تھے۔ سی ایم او کے یہاں سے ڈی این اے ٹیسٹ کی رپورٹ نہیں آئی تھی جس کی بناء پر اگلے دن کی تاریخ مقرر کر دی گئی شاہد نے عزیز سے مخاطب ہوکر کہا کہ لنچ ٹائم ہے تم میرے چیمبر میں مجھ سے ملاقات کرو۔ عزیز شاہد کے چیمبر میں داخل ہوا۔ شاہد نے اسے بیٹھنے کا اشارہ دیا۔ سوچ سمجھ لو مہ جبیں کو اپنے سے مت دور کرو۔ عزیز بولا حضور میرا مہ جبیں سے آپ چھٹکارا دلا دیں ہم

آپ کا احسان زندگی بھرنہیں بھولیں گے۔ شاہد نے میز سے کاغذ نکال کر دیا اور کہا اس پر لکھو کہ ہم مہ جبیں سے چھٹکارا چاہتے ہیں میرا اس سے نباہ نہیں ہوسکتا نہ یہ میرے لائق ہیں اور نہ میں اس کے لائق ہوں دونوں کی زندگی تلخ گزر رہی ہے۔ اس لئے ہم مہ جبیں کو طلاق ۔طلاق ۔طلاق دے رہے ہیں۔ عزیز نے کاغذ پر لکھ کر شاہد کے ہاتھوں میں دے دیا۔ شام کے وقت شاہد اپنے ڈرائنگ روم میں چائے پی رہا تھا تبھی دربان نے آکر کہا صاحب کچھ لوگ آپ سے ملنے آئے ہیں۔ شاہد نے کہا کہ ان کو اندر بلالو۔ تبھی مہ جبیں اس کا لڑکا مہ جبیں کے والد اور والدہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ شاہد نے کہا تشریف رکھیں۔ کہئے آپ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ نوکر سے کہا کہ ناشتہ لگادو۔ مہ جبیں کے والد شاہد سے مخاطب ہوئے اور بولے بیٹا میری بیٹی کی زندگی اب تمہارے ہاتھ میں ہے تم چاہو گے تو اس کی زندگی خوشحال رہے گی۔ چائے پینے کے بعد مہ جبیں سے شاہد بولا۔ چلو اپنا کرایہ کا گھر تم کو دکھلائیں۔ مہ جبیں نے کہا تمہاری بیوی کہاں ہے۔ وہ بولا کہ میں نے ابھی تک شادی نہیں کی ہے''۔

شاہد نے مہ جبیں سے کہا اچھا یہ بتاؤ کیا ماجرا ہے۔ مہ جبیں بولی میری شادی کے سات ماہ کے بعد میرے لڑکا پیدا ہوا اور میرا آدمی اس شک میں پڑ گیا کہ یہ لڑکا کسی اور کا ہے۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ یا تو ہم تم سے ملے تھے یا اپنے شوہر سے۔ یہ بات کرتے کرتے وہ ڈرائنگ روم میں آگئے شاہد مہ جبیں کے والد سے مخاطب ہوکر بولے پاپا آپ بالکل بے فکر رہیں آپ کی بیٹی کی خوشی میں کوئی آنچ نہیں آنے پائے گی جہاں جہاں یہ قدم رکھے گی وہاں وہاں پھول کھل اٹھیں گے۔اس کا

شوہر نصیب ورر ہے گا۔ سب کو رخصت کرنے کے بعد شاہد بستر پر لیٹ گیا اور کچھ سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی۔ صبح کورٹ میں اجلاس لگا اجلاس میں سب لوگ موجود تھے شاہد نے ڈاکٹری رپورٹ دیکھی پروفیسر عزیز کا اس کا بیٹا ثابت نہیں ہو پایا۔ شاہد کے بلڈ سے لڑکے کا بلڈ میچ کر گیا۔ اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ شاہد ہی اس لڑکے کا باپ ہے۔ شاہد عزیز سے مخاطب ہو کر بولے تم ابھی میرے چیمبر میں مجھ سے ملاقات کرو۔ شاہد نے کہا کہ میڈیکل رپورٹ سے یہ لڑکا تمہارا بیٹا ثابت نہیں ہو رہا ہے۔ لہٰذا یہ کاغذ میں دے رہا ہوں اس پر لکھو کہ میں مہ جبیں کو طلاق۔ طلاق۔ طلاق دے رہا ہوں۔ اس نے لکھ کر دے دیا اس کاغذ کو لے کر شاہد عدالت میں گیا شاہد نے کہا کورٹ نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ یہ لڑکا عزیز کا نہیں ہے۔ عزیز نے بھی مہ جبیں کو طلاق دے دیا ہے۔ اب دونوں اپنی اپنی مرضی سے اپنی زندگی گزار سکتے ہیں۔ اور طلاق نامہ کی تصدیق بھی ہوگئی ہے۔ عزیز جہیز کا سامان مہ جبیں کے والد کو ایک ہفتہ کے اندر واپس کر دیں۔ اور مہ جبیں کو مہر کا پیسہ ادا کر دیں۔

مہ جبیں بولی شاہد تم نے اپنا بدلہ لے لیا۔ مجھے کہیں کا بھی نہ چھوڑا میرے دل و دماغ کا سکون سب چھین لیا گیا ہم زہر کھالیں یا ندی میں کود کر جان دے دیں۔ مہ جبیں کا وکیل بولا ہم اوپر کی عدالت میں اپیل کریں گے۔

شاہد پولیس والوں سے بولا ان لوگوں کو اپنی حراست میں لے لو۔ لنچ کے بعد حاضر کرنا۔ فیصلے کا کاغذ ٹائپ ہو کر شاہد کے سامنے رکھا گیا۔ شاہد نے ان کاغذوں پر دستخط کئے اور عزیز سے کہا کہ تم مقدمہ جیت گئے۔ شاہد اپنا ایپرن اتار کر مہ جبیں کے والد کے پاس آ کر بولا پاپا ہم مہ جبیں سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات سنتے ہی مہ جبیں نے اپنا ہاتھ شاہد کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ شاہد نے کہا کہ پاپا کا

فیصلہ تو بھی سننے دو۔ پاپا نے کئی سال پہلے سید پٹھان انصاری منصوری اور اونچ نیچ مسلک غریبی امیری کو دھیان میں رکھتے ہوئے ہمارے تمہارے بیچ میں دیوار کھڑی کر دی تھی اور مہ جبیں تم مجھ سے اتنے سال دور ہو گئیں۔ آج پھر پاپا اونچ نیچ امیری غریبی کو سوچ رہے ہوں گے تبھی پاپا کا جواب آنے میں دیر لگ رہی ہے۔

مہ جبیں کے والد مسکرائے اور بولے کہ مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔ شاہد نے مہ جبیں کے لڑکے کو گود میں اٹھالیا او پیشکار سے بولے ساری فائلوں میں اگلی تاریخیں دے دو۔

سبھی لوگ کورٹ میرج کی عدالت میں داخل ہوئے وہاں پر شاہد اور مہ جبیں کی کورٹ میرج ہو گئی۔

عصر کے بعد شاہد مہ جبیں کا نکاح ہو گیا دولہن بن کر مہ جبیں شاہد کے گھر آ گئی۔ آج شاہد کے مکان کی ویرانی ختم ہو گئی تھی اور ہر طرف خوشیوں کی لہر آ گئی گھر کا ہر گوشہ خوشیوں سے مہکنے لگا۔

ابھر آتے ہیں جذبات محبت
بچھڑ کر ملتا ہے مقصود اُلفت
نہیں کچھ اونچ اور نیچ اس میں فیروز
کرشمہ کیا دِکھاتی ہے یہ قسمت

☆☆☆

چاہت کے رنگ

شاہد ناشتہ سے فارغ ہو کر اپنی بوٹ فیکٹری میں جانے کے لئے کار میں بیٹھ گیا۔ ڈرائیور کار اسٹارٹ کرنے ہی والا تھا کہ موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ شاہد نے موبائل اٹھایا اور بولا۔

''ان شاء اللہ ہم ضرور تمارے لڑکے کے ولیمہ میں شرکت کرنے مراد آباد آئیں گے'' راستہ میں شاہد سوچنے لگے کہ شادی میں شرکت کرنا بھی ضروری ہے مگر فیکٹری میں اسی ہفتہ مال کناڈا بھی بھیجنا ہے۔تو اپنے بیٹے کو ساری ذمہ داری سونپ دیں گے۔شاہد کا بیٹا ایم ایس سی اور ایم بی اے کرنے کے بعد فیکٹری کا کام سنبھال رہا تھا۔شاہد نے لڑکے کی شادی کردی تھی اور اللہ نے ایک پوتے سے بھی نواز دیا تھا۔ان کی عمر ۵۵ سال کی ہوگئی تھی وہ اپنے بہو بیٹے سے پوری طرح مطمئن تھے۔ان کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔لوگوں نے انھیں دوسری شادی کرنے کا مشورہ دیا مگر انھوں نے انکار کردیا۔اپنی تنہائی دور کرنے کے لئے وہ کاروباری مصروفیات میں لگے رہتے۔

شام کو گھر پہونچ کر شاہد نے اپنے بیٹے سے تاکید کی'' بیٹا ہم اگلے ہفتہ اپنے کلاس فیلو کے لڑکے کے ولیمہ میں مراد آباد جا رہے ہیں تم شام کا وقت فیکٹری میں زیادہ دو تاکہ باہر جانے والا مال وقت پر تیار ہو جائے''۔

بیٹے نے کہا۔''ابو آپ فکر نہ کریں سب کام سنبھال لوں گا۔ آپ شادی

میں ضرور شرکت کریں اسی بہانے پرانے دوستوں سے بھی ملاقات ہوجائے گی اور آپ کا دل بھی بہل جائے گا ''۔

۷ ارکو صبح ناشتہ کر کے کار کے ذریعے مراد آباد کے لئے چل دیئے رات ہوتے ہوتے وہ مراد آباد پہونچ گئے ان کا دوست بہت گرم جوشی سے ملا اور ان کو مکان کے اندر لے گیا وہاں اپنی بیوی اور بچوں سے متعارف کروایا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد شاہد آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔

دوسرے دن اتوار کو ولیمہ تھا۔ صبح نہا کر ناشتہ کی میز پر عرفان سے بولے۔

'' تم نے میرے لئے کیا کام منتخب کیا ہے ''۔

عرفان بولے۔

'' شاہد تم ہماری خوشی میں شریک ہوئے اس سے بڑھ کر میرے لئے خوشی کیا ہوسکتی ہے؟ تم تیار ہوجاؤ میرج ہال چلنا ہے ''۔

تھوڑی دیر میں دونوں میرج ہال پہونچ گئے۔ لان کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا اسٹیج پر دولہا دولہن بیٹھے ہوئے تھے تھوڑی دیر بعد مہمانوں کا آنا شروع ہوگیا شاہد سبھی کا خیر مقدم کرتے اور ہال کے اندر لاکر بٹھا دیتے۔

اچانک شاہد کی نظر ایک عورت پر جا کر ٹھہر گئی۔ بڑی ہمت کر کے وہ اس عورت کے پاس جا کر بولے۔

'' معاف کیجئے گا! کیا آپ کا نام نسرین ہے ''۔

وہ بولی۔'' ہاں میں نسرین ہوں۔ ارے۔۔۔۔۔۔تم شاہد ہو ''۔

دونوں کے چہرے کھل گئے۔ دونوں بی اے میں کلاس فیلو تھے۔ اور دل ہی دل میں ایک دوسرے کو چاہتے تھے مگر کبھی زبان سے اظہار نہ کیا۔ نسرین کی شادی ہوگئی اور بعد میں شاہد کی بھی شادی ہوگئی۔ دونوں کی اپنی الگ الگ دنیا تھی۔

نسرین نے کہا۔ ’’ میرے مرحوم شوہر کے بھائی کی لڑکی کی چوتھی کی رسم ہے رشتہ داری کی خاطر آنا پڑا ہم لوگ آج ہی رات لوٹ جائیں گے ‘‘

شاہد اور نسرین ہال کے ایک کونے میں بیٹھ کر ٹھنڈا پیتے ہوئے باتیں کرنے لگے نسرین نے بتایا کہ اس کے شوہر کا ایک کار ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوگیا۔ اس کا لڑکا M.tech کر رہا ہے اور لڑکی .M.A کر چکی ہے لڑکی کے رشتے کئی جگہ سے آرہے ہیں۔ شاہد نے اسے اپنا کارڈ نکال کر دیا اور بولا۔

’’ تم مجھے شادی میں ضرور بلانا۔ میں جہاں کہیں بھی رہوں گا ضرور شرکت کروں گا ‘‘۔

اور پھر بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

’’ میری بیوی کا انتقال ہو چکا ہے۔ ایک بیٹا ہے وہ میرے کاروبار کو بخوبی چلا رہا ہے ‘‘

تھوڑی دیر بعد عرفان نے آکر بتایا۔

’’ چلو شاہد کھانا کھالو۔ اب سبھی مہمان جا چکے ہیں ‘‘۔

کھانا کھا کر نسرین اپنے دیور کی لڑکی کے ساتھ واپس لوٹ گئی۔ شاہد بھی عرفان سے مل کر کانپور کے لئے روانہ ہوگئے۔ صبح خیریت سے کانپور پہونچ گئے۔

اور اپنے کاروبار میں مصروف ہوگئے۔ دن گزرتے گئے ایک دن نسرین کا فون آیا وہ کہہ رہی تھی۔

"شاہد میری بیٹی کا رشتہ پکا ہو چکا ہے اگلے ماہ ۱۸ رتاریخ کو شادی ہے۔ تم موقع نکال کر امروہہ آجاؤ۔ دوپہر کی بارات ہے شام کو رخصتی ہوجائے گی"۔

شاہد نے وعدہ کیا کہ وہ شادی میں شرکت کرنے امروہہ ضرور آئے گا۔

۱۷ رتاریخ کو شاہد کار کے ذریعے امروہہ پہونچ گئے وہاں کے ایک ہوٹل میں کمرہ بک کرالیا اور سامان وہاں رکھ کر نسرین کے گھر پہونچے۔ نسرین نے شکریہ ادا کیا۔ شاہد نے نسرین کے ہاتھ میں ایک لفافہ رکھ دیا جس میں دو لاکھ روپئے نقد رکھے تھے اور کہا۔ "یہ میری طرف سے بیٹی کے لئے ہے"۔

نسرین تحفہ لینے سے انکار کرتی رہی مگر شاہد نہیں مانے۔ رات کا کھانا کھا کر ہوٹل جانے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ نسرین انھیں روکنے کے لئے ضد کرتی رہی مگر شاہد ہوٹل کے لئے روانہ ہوگئے۔

دوسرے دن صبح آٹھ بجے شاہد نسرین کے گھر پہونچ گئے اور نسرین کے لڑکے سے بولے۔

"میرے ذمہ بھی کوئی کام سونپ دو۔ آخر بیٹی کی شادی ہے"۔

لڑکے نے جواب دیا۔

"انکل آپ آگئے ہم سب لوگوں کے لئے یہ بہت خوشی کی بات ہے۔ اور پھر جس طرح چپ چاپ آپ نے ہم لوگوں کی مدد کی وہ واقعی آج کے زمانے

میں انہونی سی بات لگتی ہے ''۔

اور پاس کھڑے ایک آدمی سے بولے انکل کو گیسٹ ہاؤس میں لے چلو ''۔

گیسٹ ہاؤس میں بارات آ گئی نکاح اور رخصتی سب کام بہت خوش اسلوبی سے نپٹ گئے۔ کھانا کھا کر شاہد نسرین کے پاس گئے۔

'' اچھا نسرین اب اجازت دو ہم کانپور کے لئے نکل رہے ہیں ''۔

نسرین نے شاہد کا شکریہ ادا کیا اور بولی۔

'' تمہارا شریک ہونا میرے لئے فخر کی بات ہے کہ کم سے کم تم نے پرانے دوستوں کو یاد تو رکھا ''۔

شاہد کار میں بیٹھتے ہوئے نسرین کے بیٹے سے بولے۔

'' بیٹا یہ میرا کارڈ رکھ لو جب تک تمہارا یہ انکل زندہ ہے۔ تم جب چاہو اسے آواز دے دینا وہ تمہاری پکار پر ضرور تمہارے پاس حاضر ہو جائے گا اچھا چلوں، اپنی ماں کا خیال رکھنا ''۔ نسرین دروازے تک شاہد کو چھوڑنے آئی خدا حافظ کہا اور کار کانپور کے لئے روانہ ہو گئی نسرین کار کی دھول کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی اور ماضی میں کھو گئی۔

رنگ اترتا نہیں کبھی جن کا
وہ محبت کے رنگ ہوتے ہیں
جس کا اظہار ہو نہ اے فیروز
ایسے چاہت کے رنگ ہوتے ہیں

☆☆☆

جنون

سہیل اناؤ صفی پور کا رہنے والا تھا اس کے والد کھیتوں میں مزدوری کرتے اور ماں پردھان کے گھر چوکا برتن کرتی۔ بڑی محنت کر کے دو وقت کی روٹی کا انتظام ہو پاتا ۔سہیل پانچویں کلاس میں پورے اناؤ شہر میں سیکنڈ آیا تھا۔ سہیل کے والدین کی مرضی اسے آگے پڑھانے کی نہیں تھی مگر اس کے نمبر اور شوق دیکھ کر اس کا اناؤ شہر میں چھٹی کلاس میں داخلہ کرایا۔ پردھان بھی اس کی قابلیت سے بہت خوش تھے انھوں نے پچاس کا نوٹ دے کر اپنے کارندے کو سہیل کے داخلہ کے لئے اناؤ بھیجا۔ کالج والوں نے اس کے نمبر دیکھ کر خوشی خوشی اس کا داخلہ لے لیا۔ اسکول سے ہی سب کتابیں، بستہ وغیرہ فری میں مل گیا۔ گاؤں سے اسکول پانچ کیلومیٹر دور تھا اس لئے رام کمار پردھان نے اسے اپنی پرانی سائیکل دے دی۔ سہیل سائیکل پا کر بہت خوش ہوا بولا۔

" انکل آپ کے ہم پر پہلے ہی بہت احسانات ہیں۔ آج آپ کی وجہ سے کالج میں میرا نام لکھا اور آنے جانے کے لئے سائیکل دی ہے۔ آپ کے احسانات تو اتار نہیں سکتا۔ اگر اللہ نے کسی لائق بنا دیا تو آپ کے پریوار کا ایک فرد بن کر دکھائیں گے"۔

سہیل پڑھائی میں بہت دلچسپی لیتا تھا۔ اس کے ساتھ چیئر مین کا لڑکا بھی پڑھتا تھا۔ سالانہ امتحان ہوا سہیل فرسٹ ڈویزن میں پاس ہوا اور چیئر مین کا لڑکا سیکنڈ ڈویزن لایا۔ اب دونوں دوسری کلاس میں آ گئے۔ چیئر مین کا لڑکا امین

کرکٹ کا سارا سامان خرید لایا۔ دوپہر میں اور اتوار کو امین، سہیل اور دوسرے ساتھی لڑکے مل کر کرکٹ کھیلتے ۔ سہیل آل راؤنڈر تھا۔ بالنگ میں اچھے اچھے لڑکوں کو آؤٹ کر دیتا۔ کالج کے گیم ٹیچر نے اس کے کھیل کو دیکھ کر کرکٹ کا کپتان بنا دیا۔ اب کہنے کو ساتویں کلاس میں تھا مگر ہائی اسکول ٹورنامنٹ میں کیپٹن کا پارٹ ادا کرتے ہوئے نام کمایا۔ پرنسپل بہت خوش ہوئے کلاس ٹیچر نے اسے سینے سے لگالیا ۔ سالانہ امتحان میں سہیل چاروں سیکشن میں فرسٹ آیا۔ رزلٹ بانٹتے وقت پرنسپل نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور بولے۔

"بیٹا تم اپنے خاندان، اپنے گاؤں، اپنے ڈسٹرکٹ اور اسکول کا نام روشن کرو گے"۔

سہیل بولا۔ "سر، ہم لوگ بہت غریب ہیں۔ میری ماں چوکہ برتن کرتی ہے۔ باپ مزدوری کرتا ہے وہ کہتے ہیں پڑھائی بند کردو اور مزدوری شروع کردو تاکہ دونوں بڑی بہنوں کی شادی ہو سکے"۔

پرنسپل صاحب بولے۔ "بیٹا تم پڑھائی بند نہ کرنا۔ اس ملک کو تمہارے جیسے ہوشیار بچوں کی ضرورت ہے۔ تم کو کسی چیز کی ضرورت ہو مجھ سے بلا جھجک مانگ لینا۔ اور میں مینجمنٹ سے سفارش کر کے تمہارا وظیفہ بندھوا دوں گا جس سے تمہاری فیس اور کتابوں کا بندوبست ہوتا رہے گا"۔

پرنسپل صاحب نے اسے ایک نئی سائیکل انعام میں دی اور دو سو روپیہ نقد دیئے تاکہ وہ اپنے کپڑے بنوا سکے۔ سہیل بہت خوش ہوا۔ گاؤں پہونچ کر پردھان کو پچاس روپئے دیئے اور بتایا کہ اسے دو سو روپئے اور سائیکل انعام میں ملے ہیں۔

رام کمار پردھان نے پچاس روپئے واپس کر دیئے اور بولے۔ ''سہیل اسے رکھ لو۔ اور اگر اور پیسوں کی ضرورت ہو تو مجھے بتانا''۔ سائیکل بھی ان کے دروازے پر کھڑی کر دی۔

اب سہیل نے آٹھویں کلاس میں داخلہ لے لیا۔ نئی سائیکل پر اسکول آتا جاتا۔ سہیل کا نام پورے انا وُ ڈسٹرکٹ میں ہو گیا تھا۔ کرکٹ کی وجہ سے اسے یہ نام ملا تھا۔ وہ عمر کے لحاظ سے بہت کم مگر کھیل میں بہت کامیاب تھا۔

گرمی کی چھٹی میں سہیل کی ٹیم کو انٹر کلاس کی ٹیم سے ٹکرا دیا گیا۔ اس نے کامیاب کپتانی کرتے ہوئے جیت حاصل کی اور اپنے کالج کے نام کپ جیت لیا۔

سہیل کے گیم ٹیچر سہیل کو بہت چاہنے لگے تھے۔ سہیل کی وجہ سے ان کے کالج کا نام روشن ہوا تھا۔

ہائی اسکول کا امتحان ہوا، سہیل لالٹین کی روشنی میں پڑھائی کرتا تھا۔ ہائی اسکول کے رزلٹ میں یو پی میں میرٹ لسٹ میں اس کا آٹھواں نام تھا۔ سہیل کی ماں اور پردھان بہت خوش ہوئے پرنسپل نے سہیل کو اپنے سینے سے لگا لیا'' تمہاری محنت کی وجہ سے میرے کالج کا نام میرٹ لسٹ میں پہلی بار آیا ہے۔ تم نے گیم اور پڑھائی دونوں سے ہی کالج کو ایک نئی پہچان دی ہے۔

سہیل نے انٹر بھی فرسٹ ڈویزن سے پاس کر لیا اس نے بی اے میں داخلہ لے لیا۔ انڈر نائنٹین کرکٹ کے سلیکشن میں سہیل کا نام آ گیا۔ وہ اپنے ساتھ کالج کی کتابیں بھی لے گیا۔ سہیل نے بہت اچھا پرفارم کیا کیونکہ وہ بیٹسمین کے ساتھ بالر بھی تھا۔ انڈر نائنٹین میں ورلڈ کپ ہندوستان نے جیتا۔ سہیل نے خوب

دل لگا کر پڑھائی کی۔ بی اے فرسٹ ایئر پاس کر کے وہ سیکنڈ ایئر میں آ گیا۔ اس سال آئی ٹی سی (انڈین کرکٹ ٹرافی) ہونا تھا۔ میدان میں آٹھ ٹیمیں تھیں کانپور چیلنجر کی مالکن ریتا کماری تھیں، لوگوں نے صلاح دی۔ ''میڈم آپ سہیل کو اپنی ٹیم میں رکھیں یہ آل راؤنڈر کھلاڑی ہے۔ ریتا کماری نے سہیل کو بمبئی بلوایا۔ پورے کھیل کے لئے لاکھ روپئے میں بک کر لیا۔ سہیل نے کہا۔'' میڈم آپ مجھے اوپننگ میں رکھیں۔ ریتا کماری مان گئیں۔ ٹیم کا کپتان کرن کمار تھا۔ تین کھلاڑی انڈیا سے باہر کے تھے۔ پہلا میچ شروع ہوا۔ سہیل ۱۷۰ رن بنا کر آٹھ کے رن ریٹ سے آؤٹ ہوا۔ ریتا کماری اس اچھی شروعات سے بہت خوش تھیں۔ سہیل کے آؤٹ ہونے کے بعد ۱۰۰ رن پر پوری ٹیم سمٹ گئی۔ اب دوسری ٹیم کی بیٹنگ کا نمبر آیا تو پوری ٹیم کے ۲۰۰ رن بن چکے تھے۔ ۳ رن ہر اوور کا رن ریٹ لینا تھا۔ سہیل سے برداشت نہیں ہوا وہ گیند اپنے ہاتھ میں لے کر کیپٹن سے بولا کہ دو اوور اسے پھینکنے دیں کیپٹن نے سہیل کے سینے پر دھکا مارا وہ گر پڑا مگر گیند اپنے ہاتھ میں دبائے رہا۔ سارے کھلاڑی جمع ہو گئے سہیل نے کہا۔

''بھائی ہم صرف ۲ اوور پھینکیں گے اگر وکٹ نہ ملا تو ہم میڈم (ریتا کماری) سے ایک بھی پیسہ نہیں لیں گے جو ایڈوانس مجھے ملا ہے وہ بھی واپس کر دیں گے۔ ایک کھلاڑی نے کیپٹن سے کہا۔'' اسے ایک اوور کا چانس دے دو''۔ بڑی مشکل سے کیپٹن نے حامی بھری۔ سہیل کی پہلی بال پر چار رن بن گئے۔ دوسری بال پر ایک کھلاڑی آؤٹ ہو گیا۔ دوسرا پلیئر بھی اپنی پہلی ہی گیند میں ہی آؤٹ ہو گیا۔ پہلا اوور ختم ہوا۔ ۴ رن پر دو وکٹ کا اسکور سہیل کے کھاتے میں آیا۔

دوسرے اوور میں دوسری بال پر آؤٹ کیا۔ پھر چوتھی بال پر سامنے والے کو کلین بولڈ کیا۔ اس اوور میں سہیل کو دو وکٹ ملے۔ ۴۰؍رن پر ۴؍وکٹ سہیل کو مل چکے تھے۔ سامنے والی ٹیم کو ۶۰ رن جیت کے لئے بنانے تھے۔ ۶ وکٹ باقی تھے۔ کیپٹن نے پھر سہیل کو بال دے دی۔ سہیل نے پہلی گیند پر چھکا دیا پھر دوسری گیند پر آؤٹ کیا۔ سہیل نے اس اوور میں تین وکٹ گرائے۔ سہیل کے کھاتے میں ۱۰؍رن پر ۷؍وکٹ آئے۔ میچ کا رخ بدل گیا تھا۔ سہیل نے پھر بال لے لیا۔ اور دو وکٹ حاصل کئے اب اس کے کھاتے میں ۹؍وکٹ آچکے تھے۔ باقی بچا وکٹ اس کے ساتھی کو ملا۔ سہیل کی ٹیم نے میچ جیت لیا۔ سہیل کو مین آف دی میچ کا خطاب ملا۔ شام کو میٹنگ میں ریتا کماری سخت لہجے میں کرن کمار سے مخاطب ہوئیں۔

کرن کمار بولا۔ ’’کیپٹن ہم تھے۔ یہ دو بالشت کا چھوکرا بولا بالنگ ہم کریں گے ‘‘۔

ریتا کماری بولیں۔ ’’تم نے اتنی زور سے دھکا دیا کہ سہیل میدان میں گر پڑا۔ اگر سہیل بالنگ نہ کرتا تو آج ہم میچ ہار جاتے ‘‘۔

سہیل بولا۔ ’’ سر آپ نے پیسہ لیا ہے اس لئے ہم ہر میچ جیتنے کی کوشش کریں گے تا کہ کانپور چیلنجر کا نام روشن ہو ‘‘۔

اسی وقت ریتا کماری نے سہیل کو کیپٹن بنا دیا۔ کرن نے کہا۔ ’’ ہم دو بالشت کے لڑکے کیپٹن شپ میں نہیں کھیلیں گے ‘‘۔

کرن نے پیسہ واپس کر دیا۔ اگریمنٹ ختم ہو گیا۔ سہیل اب کیپٹن بن گیا۔ سہیل کانپور چیلنجر ٹیم کی جان تھا۔ ہر میچ میں اس کا پرفارم اچھا رہا اور ہر میچ

کے آخر میں وہ مین آف دی میچ چنا جاتا میچ کے بعد سب ہوٹل میں اپنے اپنے کمروں کے لئے نکل جاتے سہیل کھانا کھانے کے بعد اپنے کورس کی کتابیں لے کر بیٹھ جاتا ایک رات تقریباً دس بجے اس کے کمرے پر کسی نے دستک دی۔ سہیل نے دروازہ کھولا۔ سامنے ریتا کماری کو دیکھ کر چونک گیا اور بولا۔

''ارے سر آپ، آیئے آیئے''۔

ریتا کماری کمرے میں داخل ہوئیں انھوں نے دیکھا میز پر کتاب کا پیاں کھلی ہیں۔ سہیل بولا۔

''سر یہ میرے کورس کی کتابیں ہیں۔ میچ ختم ہونے کے بعد امتحان دینا ہے۔ میرا بی اے فائنل ہے''۔

ریتا کماری بولیں۔ ''اچھا تم ابھی پڑھ رہے ہو اور ہاں تم مجھے سر مت کہا کرو۔ میرا نام ریتا کماری ہے تم مجھے مینو کہہ کر پکارا کرو آئندہ سر مت کہنا''۔ اور یہ کہتے ہوئے وہ پلنگ پر لیٹ گئیں۔ اور پوچھنے لگیں۔

''سہیل کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے''۔

سہیل بولا۔ ''نہیں ابھی نہیں ہوئی ہے''۔ ابھی شادی بہت دور کی بات ہے۔ ہم لوگ بہت غریب ہیں۔ ابھی مجھے پڑھ کر کوئی نوکری کرنی ہے''۔

سہیل نے فرج کھول کر دو گلاس میں کولڈ درنک نکالی اور بولا۔

''آپ ٹھنڈا پیئیں''۔

ریتا کماری اٹھ کر بیٹھ گئیں اور بولیں۔ ''اس گلاس میں کچھ تو اور ملاؤ BP برانڈی''۔

سہیل چپ چاپ کھڑا رہا۔ تو وہ بولیں۔

'' اچھا تمہارے فرج میں نہیں ہے ''۔ اس نے اپنا پرس کھولا اور برانڈی کی بوتل نکال کر دونوں گلاسوں میں ملادی اور بولی۔

'' اب ٹھنڈا پینے میں مزہ آئے گا ''۔

سہیل بولا۔ '' اب تک کبھی ہم نے پی نہیں ہے۔ مجھے الٹی ہو جائیگی۔ ہم بے ہوش بھی ہو سکتے ہیں پلیز آپ ہی پی لیں ''۔

ریتا کماری ضد کرنے لگیں اور زبردستی گلاس سہیل کے ہونٹوں سے لگا دیا اور زبردستی اس کو پلا دیا بولیں۔

'' زندگی کا پہلا گلاس میرے ہاتھوں سے پیا ہے اب تم مجھے کبھی بھولنا نہیں ''۔

کہتے ہوئے دوسرا گلاس خود پی گئی۔ سہیل کو اپنی بانہوں میں بھر کر بولی۔

'' پہلی نظر میں ہم تم پر مرمٹے تھے ''۔

سہیل بولا۔ '' پلیز مینو ہم بہت ہی غریب خاندان کے ہیں۔ ہم بے سہارا تھے اور آج بھی ہیں۔ یہ میرا کرکٹ کا جنون ہی ہے کہ جس نے ہمیں اس قابل بنایا جو آج ہم اس شاندار ہوٹل میں ہیں ''۔

مینو اٹھی۔ فرج سے برف کی ٹرے سے ۲ ٹکڑے نکال کر دونوں گلاسوں میں دو دو ٹکڑے ڈال کر پھر برانڈی سے بھر دیا اور بولی۔

'' سہیل تم دیہات کے ہو، ہم اسی لئے تم کو چاہنے لگے۔ دیہات کے لوگوں میں مکروفریب، دھوکہ، لالچ نہیں ہوتا، اور زبردستی دوسرا گلاس سہیل کو پلا دیا۔

سہیل نہیں نہیں پلیز پلیز کہتا رہا مگر مینو نے پلا ہی دیا۔ سہیل بولا۔

"مینو میرا سر چکرا رہا ہے"۔

مینو بولی۔ "ابھی ٹھیک ہو جائے گا"۔ کہتے ہوئے سہیل کو اپنی بانہوں میں بھرلیا۔ اور بوسے پر بوسہ لینے لگی اور بانہوں میں کسے کسے بستر پر لیٹ گئی۔ سہیل لنگی پہنے تھا۔ پھر جذبات و پیار کا طوفان اٹھا اور دو جسم ایک جان ہو گئے۔ کچھ وقت بعد مینو سہیل سے الگ ہو گئی سہیل نے لنگی سے اپنے آپ کو چھپایا۔ مینو بولی۔

"سہیل یہ مانا کہ ہم فلم لائن سے ہیں مگر ہم تم کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔ سہیل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے یہ غلط کام کیسے ہو گیا وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ مینو نے پھر آغوش میں بھر کر اسے پیار کیا پھر شراب کا نشہ اتارنے کے لئے سہیل سے لپٹنے لگی۔ اب کی بار سہیل نے بھی اس کا ساتھ دیا دونوں ایک ہی بیڈ پر سو گئے۔ صبح نہا دھو کر ناشتہ ساتھ ہی کیا مینو ۲۰ ہزار کی دو گڈی سہیل کے ہاتھ پر رکھ کر بولیں۔

"لو اسے ماں کو منی آرڈر کر دو"۔

سہیل نے دونوں گڈیاں مینو کے پرس میں رکھ دیں اور بولا۔

"میں پانچ ہزار کا منی آرڈر ماں کو کر چکا ہوں"۔ مجھے ضرورت ہوگی تب مانگ لوں گا"۔

مینو بولیں۔ "سہیل اب میچ رائیڈر رسے ہے۔ اس ٹیم کو ہلکا نہ سمجھنا"۔

سہیل نے کہا۔ "سر" "مینو نے فوراً ٹوکا "اسی وقت تم مجھے مینو بولو"۔

سہیل بولا۔ "اچھا مینو ہار جیت اللہ کے ہاتھ ہے ہم اپنا کھیل پوری سمجھداری سے کھیلیں گے، ان شاء اللہ اس ٹورنامنٹ کا کپ آپ کے ہاتھ میں ہوگا"۔

میچ شروع ہوا۔ سہیل کی بیٹنگ اور بالنگ سے سامنے والی ٹیم ڈھیر ہوگئی۔

کپ سہیل کے ہاتھوں میں دیا گیا سبھی کھلاڑیوں نے باری باری کپ ہاتھ میں لیا اور آخر میں سہیل نے کپ ریتا کماری کو سونپ دیا۔

رات میں ریتا کماری پھر سہیل کے کمرے میں آئیں۔ باقی کی رقم جو میچ کے بعد دینے کا اقرار ہوا تھا سہیل کو دی اور رات میں مینو وہیں سوگئی۔ صبح تیار ہوکر مینو سے بولا۔

"ہم ڈھائی بجے والی ٹرین سے اناؤ جارہے ہیں"۔

مینو بولی۔" ارے اتنی جلدی کیا ہے"۔

سہیل بولا۔" امتحان سر پر ہے تیاری کرنا ہے"۔

مینو نے رکنے پر بہت زور ڈالا۔ مگر سہیل نے ٹرین پکڑ لی۔

اناؤ اسٹیشن سے ٹمپو کے لئے جارہا تھا کہ پرنسپل صاحب ملے۔ سہیل نے سلام کیا۔ انھوں نے اسے گلے سے لگالیا۔ سہیل بولا۔" سر امتحان بہت قریب ہے۔ پوری کوشش کروں گا کہ اچھے نمبروں سے کامیابی ملے"۔

سہیل اپنے گاؤں پہونچا پتہ چلا دس روز بعد پردھان کی لڑکی کی شادی ہے۔ سہیل نے پوچھا۔

"انکل کیا کیا چیز لانا باقی ہے۔ ان شاءاللہ سب کام خیریت سے ہوجائے گا"۔

پردھان بولے۔" ہاں بیٹا، اب تم آگئے ہو سب کام ٹھیک ہوجائے گا"۔

سہیل نے کہا۔" انکل سامان کی لسٹ دکھایئے"۔

پردھان بولے۔" ارے بیٹا سب سامان آچکا ہے بس تمہاری کمی محسوس

ہو رہی تھی تم بھی آ گئے ''۔

اس کے بعد سہیل اپنے گھر پہونچا۔ ماں نے اسے ڈھیروں دعائیں دیں۔ سہیل بولا۔

'' ماں بیس بیگھہ زمین خریدنی ہے۔ نیا مکان بنوانا ہے ''۔

کھانا کھا کر سہیل پڑھنے بیٹھ گیا۔

صبح اٹھ کر کالج گیا۔ لوٹتے وقت اسکوٹر کی دوکان سے تیس ہزار میں ایک اسکوٹر خریدا اور بل پردھان کے داماد کے نام بنوایا۔ ایک سائیکل بھی پردھان کے داماد کے نام خریدی۔ دونوں سامان ٹرالی سے بھیجنے کو کہہ کر سہیل اپنے گھر کو روانہ ہوا''۔

صبح ٹرالی پردھان کے گھر پہونچ گئی۔ پردھان بڑے تعجب میں تھے اسکوٹر کی قیمت کس نے ادا کی۔ سہیل پہونچ گیا بولا۔

'' آپ کی بیٹی ہے تو میری بہن کی شادی ہے۔ ہم یہ تحفہ اپنی بہن کو دے رہے ہیں ''۔

پورا گاؤں تعجب میں پڑ گیا۔ سہیل بولا۔ '' یہ سائیکل بھی ہے ''۔ پردھان حیران تھے کہ کوئی ایک سائیکل تو دیتا نہیں پھر جہیز میں اسکوٹر اور سائیکل دونوں ہیں۔ پردھان کا چہرہ خوشی سے جگمگا اٹھا۔ شادی خیریت سے ہو گئی۔

سہیل کے امتحان میں اسّی فی صدی نمبر آئے۔ پرنسپل نے پوچھا۔

'' اب ایم اے کون سے مضمون سے کرو گے؟ ''۔

سہیل بولا۔ '' سر انگلش سے ''۔

بی سی آئی نے سہیل کا میچ دیکھا تھا۔ سہیل کے نام تار آیا کہ بورڈ کی میٹنگ

میں شامل ہو۔ اگلے مہینہ نیوزی لینڈ کی ٹیم ہندوستان آ رہی تھی اور اس میں بورڈ کے ممبر نے سہیل کا نام لیا۔ سہیل نے میٹنگ میں کہا کہ وہ اوپننگ میں رہے گا۔ بانڈ پر دستخط ہو گئے کہ وہ کرکٹ کنٹرول بورڈ کا کھلاڑی ہے۔

شام کو وہ مینو سے ملنے اس کے بنگلے پر گیا۔ وہ کچھ دیر پہلے شوٹنگ سے لوٹی تھی۔ سہیل کو دیکھتے ہی اس کی بانہوں میں جھول گئی اور بولی۔

"اتنے دن ہو گئے کوئی کھوج خبر نہیں لی"۔

سہیل بولا۔" پردھان کی لڑکی کی شادی تھی"۔ اور پھر میرا امتحان تھا اسی میں مشغول تھا۔ خیر ایک خوش خبری سنو۔ میرا اسلیکشن کرکٹ کنٹرول بورڈ نے کر لیا ہے اگلے ماہ نیوزی لینڈ کے خلاف پانچ ٹیسٹ اور ۴ ونڈے ہیں۔ دعاء کرنا کہ اس بار بھی اللہ میرا ساتھ دے"۔

مینو نے رم کے ساتھ دو گلاس تیار کئے اور برف کے ٹکڑے ڈال کر خود دھیرے دھیرے پینے لگی۔ سہیل ہچکچا رہا تھا بولا۔

"مینو آج موڈ نہیں ہو رہا ہے"۔ سہیل ڈر رہا تھا کہ ابھی شراب پیوں گا بعد میں کہیں یہ مجھے نہ پینا شروع کر دے۔ مگر مینو نے زبردستی اسے پلا دی۔ کھانا کھانے کے بعد دونوں ایک ہی بستر پر سو گئے صبح ساتھ ساتھ ناشتہ کیا۔

نیوزی لینڈ سے ٹیسٹ میں سہیل کا پرفارم اچھا رہا۔ ابھی تک بنا ڈبل سنچری بنائے کوئی کھلاڑی اسے آؤٹ نہ کر پایا۔ اس کا نام ناٹ آؤٹ پلییئر پڑ گیا۔ ون ڈے میں بھی میں آف دی میچ بنا رہا۔ اس کی پرفارمنس دیکھ کر کئی ہیروئنیں اس سے ملنے کی کوشش کرنے لگیں۔ کئی مشہور کمپنیوں کے لوگ اس کو اپنی کمپنی کے پرچار کے

لئے ملنے آئے اور اس طرح وہ ایک مشہور معروف ماڈل بن گیا۔ پیسہ پانی کی طرح برسنے لگا۔ لیکن وہ مینو کے گھر برابر آتا جاتا رہا مینو بولی۔

"کئی فلم کی ایکٹریس تمہارے آگے پیچھے گھوم رہی ہیں کہیں تم بہک نہ جانا"۔ سہیل نے کہا۔

اب نہ بچھڑیں گے ہم خدا کی قسم
قسمتوں نے ہمیں ملایا ہے
جس نے ٹھکرایا دل کو اے فیروز
بس وہی شخص لڑکھڑایا ہے

اور مینو ہم اپنا وقت نہیں بھولے ہیں اور نہ ہی بھولیں گے۔ تم سے ملاقات ہوئی، تم نے پہل کی، آخری تمہیں سے ہونا ہے۔ تم مجھے آنے کے لئے منع کردو یا تم کہیں شادی کرلو۔ تب مجھے اپنے آپ کو کہیں بھی فٹ کرنے کا حق ہوگا"۔

سہیل اب ایم اے کا امتحان دینے آ گیا۔ سہیل کے پاس ساٹھ بیگھ زمین ہوچکی تھی اور بہت بڑا پکا مکان بھی بن گیا تھا۔ سہیل اب بھی خود بڑھ کر سب بزرگوں کو سلام کرتا۔ پردھان بولے۔ "اتنا پیسہ ہونے کے باوجود سہیل بالکل پہلے جیسا بنا ہے"۔

گاؤں میں ایک بڑا اسپتال کھلوانے کے لئے چیف منسٹر سے ملاقات کرکے منظوری لے لی۔ گاؤں کے پرائمری اسکول کو انٹر کالج کا درجہ دلوایا۔ غرض گاؤں کی تصویر ہی بدل ڈالی۔ ٹی وی چینل والے آئے۔ سب گاؤں والوں کے بیان لئے پھر کالج کے ٹیچر پرنسپل کے بیانات لئے۔

آسٹریلیا کی ٹیم کے خلاف کھیلنے کے لئے انڈیا ٹیم میں سہیل کا چناؤ ہوا۔ ورلڈ چیمپین سے ٹکراؤ ہونا ہے۔ کرکٹ کنٹرول بورڈ نے اسے کیپٹن بنادیا۔ اگلے ہفتہ میچ ہونا تھا۔ مینو بولی۔ ''جب میچ ہوتا ہے تب ہی تم میرے پاس ہوتے ہو۔ میچ ختم ہوتے ہی اپنے گاؤں چلے جاتے ہو''۔

سہیل بولا۔ '' تم ٹھیک کہتی ہو لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ ہم نے یہاں دو فلیٹ خرید لئے ہیں۔ چار کمروں والے فلیٹ میں تم رہوگی۔ اس کے بغل والے فلیٹ میں میری ماں رہیں گی۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم میرے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہوگی۔ میری سوچ تو ایسی ہی ہے اب تمہارے دل میں جو ہوگا سامنے آئیگا''۔ دن گزرتے رہے۔ سہیل کو ورلڈ کپ میں کیپٹن شپ ملی اور ایک دن ایسا بھی آیا کہ ورلڈ کپ کی شیلڈ سہیل کے ہاتھوں میں تھی۔ پیسوں کی برسات شروع ہوگئی۔

چند ماہ بعد مینو کی طبیعت خراب رہنے لگی۔ ڈاکٹر نے جگر کے کینسر کا شک کیا مینو گھبرا گئی۔ بولی۔ ''کیا ہم اتنے ہی وقت کے لئے دنیا میں آئے تھے''۔

وہ سہیل کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

'' سہیل ہر شخص کے خواب پورے نہیں ہوتے اب ہماری زندگی کے چند روز رہ گئے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں تم سے نکاح کرلوں تاکہ تمہاری بانہوں میں ایک سہاگن کی موت مروں۔ مگر پھر دماغ کہتا ہے کہ تم مینو کے لئے ڈسٹرب ہوجاؤ گے۔ اگر ہم شادی کے بندھن میں نہیں بندھیں گے تو شاید تم مجھے آسانی سے اور جلد بھول سکو گے ''۔

سہیل نے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

”مینو تم بے کار کی باتیں نہ کرو۔ میں تمہیں اتنی آسانی سے اپنے سے جُدا نہیں کر سکتا“۔

دوسرے دن وہ مینو کو لے کر اناؤ آ گیا۔ وہاں ایک بزرگ تھے۔ انھوں نے مینو کے سر پر ہاتھ رکھا اور پانی پڑھ کر پینے کو دیا اور بولے۔ ”اللہ ہے، اللہ کو کلّی اختیار ہے وہ ہاتھ سے نکلا تیر روک سکتا ہے۔ بیٹی تم ٹھیک ہو جاؤ گی، تم کو کینسر نہیں ہے۔ شراب پینے سے جگر خراب ہو گیا ہے۔ اب شراب کو ہاتھ مت لگانا تم ایک دم ٹھیک ہو جاؤ گی“۔

دوسرے دن پھر سہیل اور مینو نے حاضری دی۔ بابا نے سر پر ہاتھ رکھا۔ ہفتہ بھر میں مینو ٹھیک ہو گئی۔ خون کی جانچ کروائی۔ سب کچھ نارمل نکلا۔ وہ لوگ پھر بابا سے ملنے گئے۔ بابا بولے۔

”بیٹی برائیوں سے دور رہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا“۔

ہے جذبۂ جنون اگر دل میں واقعی
فیروز اس جنوں سے بنتی ہے زندگی
جتنے بھی اس جہان میں گزرے ہیں نامور
سب کے دلوں میں جذب وجنوں کی تھی روشنی

☆☆☆

علم کا صلہ

اکبر کا شمار ضلع بلرامپور کی تحصیل اترولہ کے نامی گرامی رؤساء میں ہوتا تھا۔ وہ سو بیگھہ زمین کے مالک تھے۔ اور ایک شاندار حویلی نما مکان میں رہتے تھے، صبح شام لوگ ان کو سلام کرنے آیا کرتے تھے، اکبر نے اپنی چار سالہ بیٹی کا داخلہ کانوینٹ اسکوم میں کرا دیا اور اسی خوشی میں ایک شاندار دعوت بھی دے ڈالی۔ اسکول سے لینے اور پہونچانے ایک جیپ لے کر آدمی جاتا۔ اکبر کے پڑوس میں شعبان نام کا ایک آدمی رہتا تھا جو اکبر کے کھیتوں اور باغوں کی دیکھ بھال کرتا۔ اس کی بیوی اکبر کے گھر کے سب کام کرتی اور کھانا بھی بناتی۔ شعبان کی بیٹی تبسم اپنی ماں کے ساتھ آجایا کرتی، ترنم جیسے ہی اسکول سے آتی تبسم فوراً اس کے پاس پہونچ جاتی۔ ہم عمر ہونے کی وجہ سے تبسم کا دل چاہتا کہ ترنم اس سے دوستی کرے۔ مگر ترنم بچپن سے ہی مغرور مزاج کی تھی وہ تبسم کو ڈانٹ پلا دیتی۔

"تو یہاں کیوں کھڑی ہے۔ جا کر اپنا کام کر مجھے پڑھنے نہیں دیتی"۔

تبسم ڈانٹ کھا کر باہر آجاتی۔ یہ روز کا معمول تھا تبسم ڈانٹ اور کبھی کبھی مار بھی کھا جاتی مگر ترنم کے پاس کھڑا رہنا اس نے نہیں چھوڑا ترنم نے اپنی ماں سے شکایت کی۔ انھوں نے تبسم کی ماں کو سمجھایا۔

"دیکھو تبسم بہت پیاری بچی ہے میں ترنم کے سارے پرانے کپڑے اور

کھلونے اسے دیتی رہتی ہوں، مگر ترنم اسے نجانے کیوں پسند نہیں کرتی تم تبسم کو اس کے کمرے میں جانے سے منع کر دو''۔

مجبور ہو کر تبسم کی ماں اسے شگفتہ کے گھر بھیجنے لگی جہاں وہ جھاڑو وغیرہ لگا دیتی۔ شگفتہ ایک انٹر اسکول میں ٹیچر تھی۔ تبسم دن بھر شگفتہ کے گھر رہتی۔ دونوں وقت کا کھانا مل جاتا تھا اور ساتھ ہی ڈانٹ مار اور دھتکار سے دور ہو گئی تھی، اس لئے تبسم ماں سے ضد کرنے لگی تم بی بی کی پرانی کتابیں مانگ لو۔ میں بھی پڑھنا چاہتی ہوں۔ ماں نے اسے جھڑک دیا لیکن تبسم کے آنسو اور ضد سے مجبور ہو کر انھوں نے مالکن سے تذکرہ کر دیا۔ اکبر بھی پاس میں ہی بیٹھے تھے فوراً بولے اگر تبسم کو دلچسپی ہے تو وہ ضرور پڑھے۔ مالکن نے کتابیں اور بستہ لا کر تبسم کی ماں کو دے دیا ۔ تبسم کتابیں پا کر بہت خوش ہوئی فوراً شگفتہ کے پاس ساری چیزیں لے کر پہونچ گئی اور بولی۔ ٹیچر جی آپ مجھے پڑھایا کریں۔

شگفتہ مسکرا کر بولی ہاں میں تم کو ضرور پڑھاؤں گی تبسم شام کے وقت پڑھائی کرنے لگی۔ دو ماہ کے اندر ساری کتابیں یاد کر لیں اور ہندی انگریزی کے الفاظ بھی لکھنے لگی شگفتہ اس کی ذہانت کی قائل ہو گئیں، شگفتہ نے اسے درجہ ایک کی کتابیں لا کر دیں۔ وہ بھی اس نے چند مہینوں میں یاد کر لیں، سال ختم ہوتے ہوتے تبسم نے کلاس دو کی ساری کتابیں یاد کر لیں،

شگفتہ تبسم کی ذہانت اور قابلیت سے بہت متاثر ہوئیں۔ وہ اسے انگلش میڈیم کی کتابیں لا کر دیتی رہیں اور ساتھ ہی پڑھائی میں مدد بھی کرتی رہیں۔

دھیرے دھیرے ہندی، انگریزی کے ساتھ ساتھ حساب، سائنس سب ہی مضمون میں تبسم مہارت حاصل کرتی گئی۔ شگفتہ نے تبسم کا پرائیویٹ فارم ہائی اسکول کا بھرادیا تبسم نے محنت سے پڑھائی کر کے امتحان دیا۔ رزلٹ نکلا تبسم فرسٹ ڈویزن میں پاس ہوگئی۔ ترنم کا حسد اور بڑھ گیا۔ تبسم نے فرسٹ ڈویزن سے انٹر میڈیٹ اور اس کے بعد بی اے بھی فرسٹ ڈویزن سے پاس کرلیا ترنم انٹر کر چکی تھی۔ اترولہ کے بغل والے گاؤں میں اکبر کی ٹکر کے ایک زمیندار تھے۔ جن کی شہر میں بھی ایک فیکٹری تھی۔ ان کے اکلوتے لڑکے کے لئے اکبر نے رشتہ بھجوایا۔ وہ لوگ ترنم کو دیکھنے آئے۔ یوسف کے ساتھ اس کی بہن، ماں، باپ آئے تھے۔ ناشتہ پانی چل رہا تھا۔ اکبر کی حویلی کے پیچھے جامن کا پیڑ تھا اکثر بچّے جامن توڑنے کے لئے پتھر چلایا کرتے۔اس دن بھی کسی بچّے نے پتھر چلایا جو سیدھے یوسف کے سر پر لگا۔ یوسف گھبرا کر اوندھے منہ گر پڑا آم کاٹنے والی چھری پر ہاتھ پڑ گیا۔ ہاتھ کی نس کٹ گئی ڈھیروں خون بہہ گیا۔ نرسنگ ہوم میں بھرتی کر دیا گیا حالت بہت نازک تھی دو بوتل خون کی فوراً ضرورت تھی مگر یوسف کا بلڈ گروپ B Negativ تھا۔ ماں، باپ، بہن، اکبر اور بہت سارے رشتہ داروں نے جانچ کروائی مگر کسی کا بھی خون میچ نہیں ہو رہا تھا۔

تبسم کو بھی اپنی ماں سے خبر ملی کہ جو لڑکا ترنم کو دیکھنے آیا تھا وہ اسپتال میں بھرتی ہے اور اسے خون کی ضرورت ہے تبسم فوراً اسپتال پہونچ گئی اور ڈاکٹر سے اپنا خون چیک کروایا۔ خوش قسمتی سے تبسم کا گروپ یوسف کے بلڈ سے میچ کر گیا۔

ڈاکٹر نے کہا ''بیٹی'' تم لڑکی ہو میں تم سے ایک بوتل خون تو لے سکتا ہوں مگر دوسری بوتل سے تمہارے لئے خطرہ ہو سکتا ہے۔ تبسم بولی آپ بے فکر ہو کر دو بوتل خون لیں۔ مجھے کچھ نہ ہوگا۔ یوسف کے والد نہایت دھیان سے ساری باتیں سن رہے تھے یہ خوبصورت انجان لڑکی کتنے اطمینان سے ڈاکٹر سے انگریزی میں باتیں کر رہی ہے اور کتنی ہمدرد کہ بنا کسی لالچ کے دو بوتل خون دینے کو تیار ہے۔

تبسم جیسے ہی خون دے کر کمرے سے باہر نکلی ترنم کی نگاہ پڑ گئی تبسم نے سلام کیا ترنم نے سلام کا جواب نہ دے کر بھدی بھدی باتیں کہہ کر اس کے گالوں پر تھپڑ مار دیا۔ یوسف کے والد یہ نظارہ دیکھ کر حیران تھے جس لڑکی کی وجہ سے یوسف کی جان بچی ہے اس سے ترنم کا ایسا برتاؤ دیکھ کر انہیں بہت افسوس ہوا اسپتال کے لوگ تبسم کے آس پاس جمع ہو گئے تبسم بولی میں نے سوچا میرے گاؤں کے مہمان ہیں بی بی جی سے رشتہ ہونے جا رہا ہے میرے خون سے اگر کسی کا بھلا ہو جاتا ہے تو سب ٹھیک رہے گا اچھا میں چلتی ہوں۔

یوسف کی طبیعت ٹھیک ہو گئی ایک دن اس نے اپنی ماں سے کہا ماں مجھے اس لڑکی سے ملواؤ جس کے خون سے میری زندگی بچی ہے اور سنا ہے کہ اس نے اس کے لئے کوئی معاوضہ بھی نہیں لیا۔ اکبر کے ساتھ شعبان بھی اسپتال میں یوسف کو دیکھنے آئے یوسف نے شعبان سے کہا آپ کی بیٹی اسپتال نہیں آئیں میں ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ شعبان بولے بیٹے میں اپنی بیٹی سے آپ کے خیالات کا تذکرہ کر دوں گا ویسے جو کچھ اس نے کیا وہ اپنی بی بی جی یعنی ترنم کی محبت میں کیا ہے

اس لئے شکریہ کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔

یوسف بولے اگر وہ نہ آئیں تو پرسوں میری چھٹی ہو رہی ہے میں ان سے ملاقات کے بعد ہی اپنے گھر جاؤں گا۔ تیسرے دن یوسف اپنے والدین اور بہن کے ساتھ تبسم کے گھر پہونچ گئے تبسم چائے اور ناشتہ لےکر سامنے آئی پہلی ہی نظر میں یوسف کا دل تبسم کی سادگی معصومیت اور حسن میں کھو کر رہ گیا۔ انھوں نے اپنے ممی سے کان میں کہا ممی آپ میری شادی کا رشتہ پیش کر دیں، ہم اسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اکلوتی اولاد کی خواہش کو دھیان میں رکھتے ہوئے یوسف کی ماں نے تبسم کی ماں کے سامنے رشتہ پیش کر دیا تبسم کے والد نے کہا ہم لوگ بہت غریب آدمی ہیں۔

یوسف نے کہا آپ کسی بات کی فکر نہ کریں ہم صرف دس لوگ آئیں گے تبسم کے لئے زیور کپڑا وغیرہ ہم پہلے پہونچا دیں گے۔ تبسم کمرے کے اندر سے سب باتیں سن رہی تھی فوراً باہر آکر بولی آپ لوگوں نے رشتہ پیش کیا ہے اس کے لئے بہت بہت شکریہ مگر میں اس رشتہ کے لئے کسی قیمت پر راضی نہیں ہو سکتی آپ کا رشتہ پہلے بی بی جی کے لئے آیا ہے اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ مجھے ابھی اپنی پڑھائی مکمل کرنی ہے۔ یوسف نے کہا اکبر صاحب نے ترنم کے لئے رشتہ پیش کیا تھا ہم لوگ تو ترنم کو دیکھنے آئے تھے میں وہاں شادی نہیں کروں گا تم نے شادی سے انکار کر دیا ہے تو مجھے تم سے کوئی شکایت بھی نہیں ہے کیونکہ رشتے تو نصیب سے ہی بنتے ہیں۔ دوسرے دن تبسم کی ماں کام پر گئیں تو سارا واقعہ اکبر کی بیوی سے بیان کیا سن کر بولیں تبسم کتنی نیک بچی ہے اس نے اتنا اچھا رشتہ صرف اس لئے ٹھکرا دیا کہ

یوسف ترنم کے لئے آئے تھے چند ماہ بعد ترنم کی شادی پاس کے گاؤں میں ہوگئی اس
کے شوہر لکھنؤ میں ریکسین کا کاروبار کرتے تھے تبسم نے آئی اے ایس کا امتحان دیا
قسمت نے ساتھ دیا اور وہ اس میں چن لی گئی ٹریننگ کے بعد اناؤ میں SDI کی
پوسٹ ملی گھر والے شادی کے لئے دباؤ ڈالنے لگے چند ماہ بعد اس کا ٹرانسفر بلرامپور
سٹی مجسٹریٹ کی پوسٹ پر ہوا آفس جوائن کرنے کے بعد شام میں اپنے گھر والوں
سے ملنے گاؤں گئی ساتھ میں دو پولیس کی گاڑی تھی اپنے گھر والوں سے ملنے کے بعد
اکبر کے گھر گئی ترنم گھر پر ہی تھی مگر اس کے چہرے سے مایوسی اور اداسی ٹپک رہی تھی
اس نے اپنی آپ بیتی تبسم کو سنائی اس کا شوہر لالچی شرابی اور عیاش تھا وہ گھر پر بھی
لڑکیاں لایا کرتا تھا ۲ سال کے وقفہ میں دو چار بار ہی ترنم سے مخاطب ہوا۔ اکبر نے
۲۰ بیگھہ کھیت بیچ کر امتیاز کو پیسہ دیا تا کہ وہ اپنا کاروبار کر سکے مگر امتیاز نے سارا پیسہ
اپنی کالی کرتوتوں میں اڑا دیا ترنم روتے ہوئے بولی اب ہم سسرال نہیں جائیں گے
امتیاز بات بات پر ہاتھ اٹھالیتا ہے اور کتنی بار تو مجھے خالی پیٹ ہی سونا پڑتا ہے۔
تبسم نے اکبر سے بات کی۔ مگر وہ خود بھی مجبور تھے اپنی لاڈلی اکلوتی اولاد کی ایسی
حالت سے وہ خود پریشان تھے بولے امتیاز کی حرکتوں سے میں خود عاجز ہوں اس
کے سب گھر والے ایک سے ہیں امتیاز کے والد مجھ سے پانی کی مشین اور ٹریکٹر کچھ
دنوں کے لئے مانگ کر لے گئے تھے مگر ابھی تک واپس نہیں کیا ان کی نیت میں بھی
کھوٹ ہے امتیاز نے میری بچی کا سارا زیور بیچ کر شراب میں اڑا دیا میری پھول سی
بچی مرجھا کر رہ گئی ہے کہتے کہتے اکبر کا گلا بھر آیا تبسم نے ان کو تسلی دی۔ انکل آپ

اطمینان رکھیں میں آپ کی زمین مشین اور ٹریکٹر سب واپس دلوادوں گی امیتاز سے طلاق دلوا کر کسی شریف لڑکے سے اس کی شادی بھی کروادوں گی۔

تبسم نے اپنی پوسٹ کا اثر دکھاتے ہوئے امیتاز کے والد کو پکڑوایا اور لکھنؤ سے امتیاز کو بلوایا سب سامان زمین زیور کا پیسہ واپس دلوا کر امتیاز سے طلاق دلوادی تاکہ ترنم کو گھٹن بھری زندگی سے نجات مل جائے تھوڑا وقت گزرنے کے بعد اپنے آفس کے ایک کلرک سے ترنم کی شادی کروادی ترنم اپنے سسرال میں خوش اور مطمئن رہنے لگی وہ تبسم کی احسان مند ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے شرمندہ بھی تھی مگر تبسم نے سب کچھ بھول کر اسے گلے لگالیا۔ تبسم کی شادی ایک I.A.S سے ہو گئی۔ انسان کے اندر عزت احترام علم کی جد وجہد ہمدردی عمل ہو تو اللہ کی مدد بھی یقینی ہو جاتی ہے جو نیک انسان کو ترقی کی نئی اونچائیوں پر لے جاتی ہے۔

لمحہ لمحہ حیات دیتی ہے
ایک نئی کائنات دیتی ہے
یہ خلوص اور یہ وفا فیروز
الجھنوں سے نجات دیتی ہے

☆☆☆

''والدین کی نافرمانی کا انجام''

کانپور کی ریکسین مارکیٹ میں پپو کی دو بڑی بڑی دوکانیں ہیں۔ ایک دوکان وہ خود دیکھتے ہیں۔دوسری دوکان میں الگ ریکسین کا مال رہتا ہے جسے ان کا بیٹا حمید دیکھتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے پپو کی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے۔کوپر گنج میں پپو کا ۵۰۰ سوگز کا مکان ہے۔حمید ان کی اکلوتی اولاد ہے۔ایم کام کرنے کے بعد وہ اپنے باپ کے ساتھ کاروبار میں لگ گیا۔

پپو نے حمید کی شادی طے کر دی۔ شادی خوش اسلوبی سے نپٹ گئی۔ بہو گھر آگئی۔حمید نے شب عروسی کے لئے دولہن کے کمرے میں قدم رکھا۔سجی سجائی سی دولہن کا گھونگھٹ اٹھاتے ہوئے اسے ہیرے کی انگوٹھی پہنائی اور بولا۔

''آج ہماری نئی زندگی کی شروعات ہے۔میرا ارمان ہے کہ اللہ پاک مجھے فرزند عطا کرے۔جس کو ہم اونچی تعلیم دیں اور وہ ریکسین کی فیکٹری کا مالک بنے۔ کانپور، ہندوستان کیا پوری دنیا میں اس کا مال عزت سے بکے۔آج کی شب ارمانوں سے لبریز ہے۔آج ۱۴؍اگست ہے۔ہم آزاد ہیں''۔باتیں کرتے کرتے صبح ہونے لگی تو دونوں سو گئے۔

کچھ مہینوں کے بعد دل کا دورہ پڑنے سے پپو کا انتقال ہو گیا۔حمید کے کندھوں پر کاروبار کا سارا بوجھ آگیا جسے اس نے نہایت ہوشیاری اور بڑی سمجھداری سے سنبھالا۔

ایک سال کے اندر حمید کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام فرحان رکھا گیا۔
تین سال کے بعد کے یہاں دوسرا بیٹا پیدا ہو۔ اس کا نام اشتیاق رکھا گیا۔ حمید بہت خوش تھے۔ حمید کے دل میں دو فیکٹریاں بنانے کا ارمان تھا۔ ایک ریکسین کی اور دوسری ربر کی۔ تا کہ دونوں لڑکے اپنی اپنی فیکٹری کے مالک بنیں۔

دونوں بچوں کا نام اچھے اسکول میں لکھایا گیا۔ کار سے دونوں آتے جاتے۔

وقت گزرتا رہا۔ حمید نے جاج مئو میں ریکسین کی فیکٹری بنالی۔ مال بننا شروع ہو گیا۔ فرحان نے ایم کام میں داخلہ لے لیا۔ حمید فیکٹری اور دوکان دونوں دیکھتے۔ فیکٹری میں مال بہت اچھا بن رہا تھا۔ کئی شہروں سے لوگ ایجنسی لینے کے لئے بھیڑ لگائے رہتے۔

الہ آباد کے اشفاق کو حمید نے ایجنسی دی۔ پہلے ایک لاکھ جمع کرو پھر مال جائے گا۔ اشفاق اور سبھی لوگوں نے فیکٹری میں پیسہ دھیرے دھیرے جمع کر دیا۔ مال سبھی ڈیلروں کو جانے لگا۔ دھیرے دھیرے مال اتر پردیش سے باہر جانے لگا۔ اشفاق کی ڈیلرشپ سے حمید بہت مطمئن اور خوش تھے۔ ایک دن حمید نے اشفاق سے کہہ دیا۔ " تم پیسے کی فکر مت کرو۔ جتنا مال چاہئے، فیکٹری سے لیتے رہو۔ اب اشفاق کو مال ادھار جانے لگا۔

فرحان کی پڑھائی پوری ہوتے ہی حمید نے اسے دوکان کی چابی پکڑا دی اور بولا۔

" میرے والد کی محنت اور میری توجہ سے یہ دوکان عمدہ پیمانہ پر ہے۔

اب تم اپنی لگن اور محنت سے اسے آگے بڑھاؤ''۔

فرحان پوری دلچسپی سے دوکان دیکھنے لگا۔ اشتیاق نے بھی بی کام کرنے کے بعد مارکیٹ کی دوسری دوکان سنبھال لی۔

حمید نے بہت لگن اور محنت سے روما میں ربر کی فیکٹری لگالی۔ اور اس میں بھی مال بننا شروع ہوگیا۔ حمید کے ارمان پورے ہوگئے اس کی دونوں فیکٹریاں بہت اچھی طرح سے چلنے لگیں۔ دونوں بچوں کی شادیاں کردیں اب حمید نے دوسرا مکان بنوانا شروع کردیا۔ تاکہ دونوں لڑکوں میں تقسیم کے وقت کوئی دقت نہ ہو۔ دو دوکان، دو فیکٹری اور اب دو مکان انھوں نے اسی مقصد کے تحت بنوائے تھے۔

حمید کی عمر پچاس سال کی ہوگئی تھی۔ انھوں نے کانپور سے تھوڑی دور پر ۲۰ بیگھہ زمین لے کر بہت سارے پیڑ پودے لگوادیئے تھے۔ اتوار کو سارے لوگ وہاں پکنک منانے جاتے۔

ایک دن حمید کو کے ڈی اے سے نوٹس ملا تمہاری زمین ایکوئر کی جارہی ہے جس کا معاوضہ دو کروڑ ہے آ کر لے لو۔

حمید نے کانپور کورٹ میں مقدمہ داخل کردیا کہ مارکیٹ ویلیو سے معاوضہ ملنا چاہئے انھوں نے کیس لڑنے کے لئے وکیل کی بھرپور فیس دی۔

الہ آباد کے ڈیلر اشفاق کے گودام میں آگ لگ گئی۔ اشفاق کا فون حمید کے پاس آیا۔ بات کرتے کرتے وہ رونے لگا۔ حمید نے حساب کی کاپی کھول کر اشفاق کے نام دولاکھ کا پیمینٹ چڑھادیا اور بولے۔ ''تمہارا پچھلا حساب صاف

ہو گیا میں نے سارا بقایا ختم کر دیا ہے اب آگے تم کو جو ضرورت ہو لو''۔

اشفاق کے دل سے دعائیں نکلنے لگیں احسان مندی کے ساتھ بولا۔ ''
آپ مجھے پھر سے مارکیٹ میں لے آئے ہیں۔ آپ کا بہت بڑا کرم ہے۔ میرے پاس پیسہ آگیا تو میں اسے چکا دوں گا''۔

حمید نے کہا '' جاؤ منیجر سے بول کر جو مال چاہئے اٹھالو''۔

حمید نے دونوں لڑکوں کے نام جائیداد کر دی۔ فرحان کو ریکسین کی فیکٹری۔ ایک دوکان دی اور اشتیاق کو ربر کی فیکٹری اور ایک دوکان دی۔ حمید اب زیادہ تر گھر میں ہی رہتے۔ کبھی کبھار فیکٹری چلے جایا کرتے فرحان کہتا '' آپ بے کار کیوں فیکٹری چلے آتے ہیں۔ آپ کی عمر آرام کرنے کی ہے ''۔

اور پھر ڈرائیور کو بلا کر پھٹکارتا۔ '' تم بالکل بے وقوف ہو۔ ان کے کہنے پر تم انھیں لے کر یہاں آگئے۔ جاؤ گھر چھوڑ کر آؤ ''۔

حمید کے دوست کی لڑکی کی شادی تھی۔ حمید نے فرحان سے پندرہ ہزار روپئے مانگے۔ فرحان آپے سے باہر ہو گیا۔ '' روپئے پیڑ پر نہیں اگتے ہیں فضول خرچی مجھے پسند نہیں ہے ''۔

شام کو حمید نے اشفاق سے روپیوں کی مانگ کی۔ اس نے بھی پیسہ نہ دے کر بے تکی باتیں کیں۔ حمید کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ بہت دنوں سے مکان کے نیچے بنی دوکانوں سے کرایہ نہیں لیا ہے۔ چلو وہیں وصول کر کے شادی میں دے دیں گے۔

حمید رسید بک لے کر کرایہ داروں کے پاس گیا تو انھوں نے کرایہ دینے سے انکار کر دیا اور فرحان کا نوٹس دکھایا کہ اس مکان کا مالکانہ حق اب فرحان کا ہے اس لئے کرایہ بھی اب وہی لیں گے۔ حمید کی تو جیسے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔ وہ دوسرے مکان کے کرایہ داروں نے اشتیاق کا نوٹس دکھایا۔ حمید کا سر چکرانے لگا وہ وہیں فٹ پاتھ پر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد گھر آ گئے۔ شام کو دونوں لڑکوں نے انھیں خوب کھری کھوٹی سنائی۔ حمید چپ رہ کر دونوں لڑکوں کی باتیں سنتے رہے الجھن اور غم میں بنا کھانا کھائے سو گئے۔ صبح کے ناشتہ میں چار روٹی اور رات کی دال آئی۔ بہو بولی۔ ''یہ تم دونوں کا ناشتہ ہے''۔

دوپہر یوں ہی گزر گئی۔ رات میں چار روٹی کے ساتھ کھانا آیا۔ حمید نے کہا۔ ''بہو ایک روٹی اور دے دو تا کہ ہم دونوں کا پیٹ بھر جائے''۔

بہو بولی۔ ''ہم نے آٹے کی مل نہیں کھول رکھی ہے''۔

اب حمید اور ان کی بیوی کے کھانے کا ذمہ دونوں بھائیوں نے ہفتہ وار کر لیا۔ دن گزرتے رہے ایک دن حمید کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وہ اشتیاق سے بولے۔

''بیٹا مجھے کسی ڈاکٹر کو دکھا دو رات بھر کھانسی آتی رہتی ہے۔ ہلکا بخار بھی ہے''۔

اشتیاق کے جواب دینے سے پہلے ہی چھوٹی بہو کمرے سے نکل آئی اور بولی۔ ''جب ہماری طرف کھانے کا وقت آیا تو کھانسی شروع ہو گئی ایک ہفتہ خاموش رہو جب بڑی بہو کی طرف سے کھانا آئے تب ان سے کہنا۔ ریکسین کی فیکٹری تو تم

نے کھٹ سے ان کے نام لکھ دی۔ کھانستے رہو کوئی ہفتہ بھر میں مر نہیں جاؤ گے''۔

حمید کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جسے اُن کی بیوی نے اپنے آنچل سے پونچھا اور ان کو تسلی دیتے ہوئے ان کے پاس بیٹھ گئی۔

ایک ہفتہ بعد حمید کا کھانا فرحان کے گھر سے آنے لگا۔ حمید نے کہا۔ ''بیٹا فرحان مجھے بہت کھانسی آ رہی ہے لوٹتے وقت کھانسی کی دوا لیتے آنا''۔

فرحان نے کہا۔ '' ابھی تک چھوٹے کی طرف تھے تو ان سے کیوں دوا نہیں منگوائی '' کہتا ہوا کار اسٹارٹ کر کے چلا گیا۔

اب حمید لاچار و مجبور ہو گیا تھا۔ کمزوری اور کھانسی کی وجہ سے اس کا چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا تھا۔ اس کی بیوی اسے سنبھالے رکھتی۔ دلاسہ دیتی۔ مگر آدھا پیٹ کھانا اور غموں نے اسے بھی توڑ کر رکھ دیا تھا اب دونوں کا وجود لڑکوں کو بوجھ لگ رہا تھا۔ ایک دن یہ لوگ مشورہ کر رہے تھے۔ '' ان دونوں کو شہر کے باہر کسی مسجد کے پاس اتار دیتے ہیں لوگ سوچیں گے پتہ نہیں کہاں چلے گئے ہیں۔ دھیرے دھیرے سب بھول جائیں گے ''۔

حمید نے اپنے کانوں سے یہ باتیں سن لیں اور بیگم سے بولا۔

'' آج رات ہم اور تم گھر سے نکل چلیں گے۔ اب لڑکوں پر بھروسہ کرنا اور ان سے رحم کی امید رکھنا بے کار ہے''۔

اور پھر انھوں نے لڑکوں سے کہا۔ '' ہم لوگ کچھ دن کے لئے دیہات جا رہے ہیں۔ تھوڑا وہاں کا حال چال معلوم کر لیں'' اور پھر دونوں نے اپنا ضروری

سامان باندھ لیا اور باہر آ گئے۔ بیگم نے پوچھا۔

"آخر کہاں چلنے کا ارادہ ہے"۔

حمید بولے۔ "کسی انجان جگہ چلیں۔ جہاں کا پتہ ان نافرمان اولادوں کو نہ چل سکے۔ اب تو میں موت کے وقت بھی ان کا چہرہ دیکھنا نہیں چاہتا اور نہ ہی یہ لوگ میری مٹی میں شرکت کریں"۔

باتیں کرتے ہوئے دونوں اسٹیشن پہونچ گئے۔ وہاں اچانک ہی اشفاق سے ملاقات ہو گئی وہ کاروبار کے سلسلہ میں کانپور آئے تھے اور اب الہ آباد واپس جا رہے تھے۔ حمید نے ان سے اپنی کہانی بیان کر دی۔ اشفاق دونوں کو لے کر الہ آباد آ گئے اور دس ہزار روپئے حمید کی جیب میں ڈال کر بولے۔

"یہ آپ لوگوں کا جیب خرچ ہے اور اب آپ لوگ ہمارے گھر میں ہی رہیں گے کیونکہ آج جو کچھ بھی میرے پاس ہے وہ سب آپ کے احسانوں کی وجہ سے ہے ورنہ میں تو سڑک پر آ چکا تھا۔ اب آپ دونوں اپنا گھر سمجھ کر آرام سے یہاں رہیئے"۔

کھانا کھا کر حمید بستر پر لیٹ گئے اور بیگم کے پاس سرکتے ہوئے بولے۔

"بیگم آج ۱۴ راگست ہے۔ ہماری شادی کی پہلی شب بھی اسی دن یعنی ۱۴ راگست کو پڑی تھی۔ اس دن ہم ارمانوں سے لبریز تھے آج ہم خاندان اور لڑکوں کی چاہت سے آزاد ہو گئے ہیں۔ اب میرے دل میں کوئی ارمان نہیں ہے۔ بس تم میرا ساتھ دیتی رہنا۔ آج ہماری سہاگ رات کی دوسری شب ہے۔" اور پھر انھوں نے بتی بند کر دی۔

دوسرے دن حمید نے اشفاق کو بتایا۔ "میری بیس بیگھہ زمین سرکار نے

ایکوائر کرلی ہے۔ ہم نے کے ڈی اے پر مقدمہ دائر کیا تھا تم کانپور میں میرے کیل سے مل کر کیس کی بابت معلوم کرنا اور ان سے تاکید کردینا کہ لڑکوں کو کچھ معلوم نہ ہوسکے۔ اور میری ساری کیفیت وکیل صاحب کو بتادینا ''۔

دوسرے دن اشفاق کانپور میں وکیل سے ملے اس نے بتایا کہ تین کروڑ کا معاوضہ مقرر ہوا ہے۔ دونوٹس گھر کے پتہ پر جاچکی ہیں اگلے ہفتہ تاریخ ہے۔

اگلے ہفتہ حمید کورٹ میں حاضر ہوئے۔ وہاں پتہ چلا کہ دونوں لڑکوں نے اپنے ماں باپ کی ایکسیڈنٹ میں موت لکھادی ہے اور وراثت کے کاغذات اور حلف نامہ عدالت میں داخل کردیا ہے۔ حمید نے وکیل سے مل کر سارے کاغذات تیار کروائے اور اپنی بیگم کے ساتھ عدالت میں حاضر ہوئے اور جج صاحب کے سامنے ساری حقیقت بیان کیا اور کہا۔

'' جھوٹا حلف نامہ داخل کرنے کے جرم میں ان لڑکوں کو گرفتار کرلیا جائے تاکہ انھیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو۔ ''۔

کرتا ہے جو انسان بھی ماں باپ کی خدمت
ملتی ہے اسے دین کی دنیا کی بھی دولت
یہ قول بزرگوں کا ہے فیروز سمجھ لو
ماں باپ کی خدمت ہی سے مل سکتی ہے عظمت

☆☆☆

مُغنّیہ

رخسانہ نے الونا تحصیل ضلع میرٹھ سے انٹر پاس کرنے کے بعد میرٹھ کے ڈگری کالج میں داخلہ لے لیا رخسانہ کے والدین آگے پڑھانے کے لئے تیار نہ تھے مگر رخسانہ کی ضد کے آگے انہیں ہار ماننی پڑی کالج کے ہوسٹل میں اسے رہنے کی جگہ بھی مل گئی۔

رخسانہ کے ساتھ امجد نے بھی داخلہ لیا وہ نہایت پر کشش شخصیت کا مالک تھا اور پھر انٹر میں فرسٹ ڈویزن سے پاس ہوکر کالج میں آیا تھا پہلی ہی نظر میں دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے۔ کالج کے بعد امجد رخسانہ کو ہوسٹل میں چھوڑ کر گھر جاتا۔ کبھی کبھی اتوار کو دونوں گھومنے چلے جاتے۔

وقت گزرتا رہا بی اے کا پہلا سال پورا ہو گیا۔ رخسانہ چھٹی میں اپنے گھر گئی۔ وہاں پر اس کی سوتیلی ماں شادی کے لئے دباؤ ڈالنے لگی۔ رخسانہ بولی۔ ''ابھی میری پڑھائی پوری ہونے میں دو سال باقی ہیں اس کے بعد شادی کروں گی''۔ رخسانہ کی ممی آگ بگولہ ہو گئیں۔ ''دیکھو تو اس لڑکی کی ہمت کیسے زبان چلا رہی ہے''۔

رخسانہ کے والد نے اپنی بیگم کو سمجھا کر رخسانہ کو گریجویشن پوری کرنے کی اجازت دے دی۔ رخسانہ میرٹھ واپس آ گئی۔ وقت گزرتے دیر نہیں لگی۔ بی اے پورا ہو گیا رخسانہ کو گھر میں قید کر دیا گیا اسے کہیں بھی جانے یا کسی سے ملنے کی اجازت نہیں تھی ماں نے زمیندار کے جاہل اور اوباش لڑکے سے بات طے کر دی۔ رخسانہ

کو جب معلوم ہوا تو وہ مارک شیٹ لینے کے بہانہ سے میرٹھ آگئی اور امجد سے سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد بولی مجھے اسی وقت یہاں سے لے چلو ورنہ میری ماں میری زندگی برباد کردے گی۔

امجد نے کہا لکھنؤ میں میرا ایک دوست رہتا ہے فی الحال تم میرے ساتھ وہاں چلو پھر آگے کے بارے میں سوچیں گے۔ امجد نے کچھ رقم کا انتظام کیا اور رخسانہ کے ساتھ ٹرین پر سوار ہو گیا لکھنؤ پہونچ کر اسٹیشن کے باہر ایک ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لیا اور رخسانہ سے بولا تم یہاں کچھ دیر آرام کرو میں اپنے دوست کا پتہ لگا کر ابھی آتا ہوں۔ امجد چلا گیا۔ ہوٹل کے منیجر نے بھانپ لیا کہ دونوں گھر سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں۔ اس نے فون کر کے نائیکہ کو ہوٹل بلالیا۔ صفدری برقعہ پہن کر ہوٹل میں پہونچ گئی اور امجد کے کمرے پر دستک دی۔ رخسانہ نے دروازہ کھول دیا۔ عورت اندر داخل ہوتے ہوتے بولی۔ ''بیٹی میرا نام صفدری ہے امجد کا کچھ دیر پہلے فون آیا تھا اس نے مجھے اس ہوٹل کا پتہ دیا اور ساری بات بتادی میں نے اسے گھر بلایا۔ مگر پھر میرا دل نہیں مانا اور میں تم سے ملنے آگئی۔ میں جب زینہ چڑھ رہی تھی تو سادی ڈریس میں پولیس والے تم لوگوں کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ مجھے لگتا ہے امجد کے والد نے پولیس میں کیس درج کردیا ہے۔ اب تمہارے لئے بہتر رہے گا کہ تم برقعہ پہن کر میرے ساتھ نکل لو۔ امجد کو میں اطلاع کردوں گی وہ تمہارا سامان لے کر گھر آجائے گا''۔

رخسانہ برقعہ پہن کر صفدری کے ساتھ نیچے آگئی وہاں سے کار میں بیٹھ کر دونوں صفدری کے گھر کے لئے نکل پڑے۔ امجد ہوٹل واپس آیا تو رخسانہ کو کمرے

میں نہ پا کر گھبرا گیا۔ نیچے کاؤنٹر پر جا کر رخسانہ کے بارے میں دریافت کیا تو منیجر نے کہا مجھے نہیں معلوم کہاں گئی ہے ہوٹل میں تمام لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ آپ پولیس میں خبر کر دیں تو شاید کچھ سراغ لگ جائے۔

امجد چپ چاپ کمرے میں لیٹ گیا اور ساری رات رخسانہ کا انتظار کرتا رہا دوسرے دن بجھے دل سے مجبور ہو کر میرٹھ کے لئے روانہ ہو گیا۔ ادھر صفدری رخسانہ کو لے کر کانپور کے لئے نکل پڑی راستہ میں رخسانہ نے سوال بھی کیا۔ ''خالہ آپ کا گھر بہت دور ہے''۔ صفدری نے جواب دیا۔ ''ہاں بیٹی تھوڑا اور دور ہے''۔ گھر پہونچ کر صفدری نے رخسانہ کو ٹھنڈا پلایا اور ایک کمرے میں آرام کرنے کے لئے بھیج دیا۔ شام کو رخسانہ نے پوچھا۔ ''خالہ امجد ابھی تک نہیں آیا میرا دل گھبرا رہا ہے''۔

صفدری بولی۔ ''امجد اب کبھی نہیں آئے گا۔ اور تم کو اب میرے ساتھ ہی رہنا ہے۔ مجھے لوگ بہت سے ناموں سے پکارتے ہیں۔ کوئی مغنیہ کہتا ہے۔ کوئی کوٹھے والی کہہ کر بلاتا ہے۔ کچھ لوگ طوائف بھی کہتے ہیں۔ اب تم کو میرے اشاروں پر کام کرنا ہوگا۔ ورنہ آدمیوں کے سامنے تم کو سونپ دوں گی۔ اس کے بعد تمہارا کیا حشر ہوگا اس کا اندازہ بھی تم نہ لگا سکو گی۔ رخسانہ پڑھی لکھی لڑکی تھی صفدری کی باتوں کو سمجھ گئی اور بولی۔ ''خالہ جان اپنا گھر میں چھوڑ چکی ہوں وہاں کے راستے اب میرے لئے بند ہو چکے ہیں اور میرے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔ میری زندگی، میرے ارمان سب ختم ہو چکے ہیں وقت میرے لئے ٹھہر گیا ہے اب میرا جسم ایک زندہ لاش ہے لیکن پھر بھی مجھے امجد کا انتظار ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر مجھ سے ضرور ملنے آئے گا، اور میں اپنے آپ کو امجد کے لئے بچا کر رکھنا

چاہتی ہوں۔ میں مجرہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اگر کسی بھی شخص نے حد سے آگے بڑھنے اور میرے قریب آنے کی کوشش کی تو میں اس کا اور تمہارا نام مجسٹریٹ کے سامنے بیان کر کے خودکشی کرلوں گی۔ صفدری نے تھوڑا نرم ہوکر کہا۔ ''ٹھیک ہے میرے پاس بھی ایک بیٹی ہے۔ اس لئے میں بیٹی کا درد اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے کمرے میں کوئی مرد داخل نہیں ہوگا صبح ماسٹر صاحب آئیں گے وہ تم کو ناچ اور گانے کی تعلیم دیں گے''۔

رات کا کھانا کھا کر رخسانہ اپنے کمرے میں آ گئی صبح فجر کی نماز پڑھنے کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کی۔ ناشتہ کرنے کے بعد استاد آ گئے۔ رخسانہ گانے اور رقص کا ریاض کرنے لگی وہ پانچوں وقت کی نماز پابندی سے پڑھتی۔ کچھ ہی دنوں بعد رخسانہ کی آواز اور رقص لوگوں کے دماغ پر چھانے لگا۔ ہر شام نو بجے محفل سجتی، طبلہ سارنگی والے استاد بیٹھتے، ایک پلیٹ میں پان کی گلوریاں رکھ کر رخسانہ سبھی سامعین کے آگے پیش کرتی۔ لوگ ۲۰۰ روپئے پلیٹ میں رکھ کر گلوری اٹھا لیتے اس کے بعد مجرا شروع ہوتا لوگ واہ واہ کرتے جاتے اور نوٹ رخسانہ پر نچھاور کرتے جاتے۔ کئی من چلے نتھ اترآئی کے لئے بے تحاشہ قیمت دینے کو تیار تھے مگر صفدری اپنے وعدہ پر قائم رہی۔

راشد نے .M.A کا امتحان فرسٹ ڈویزن سے پاس کیا۔ راشد کے دوستوں نے کہا چلو اسی خوشی میں کچھ رقم خرچ کر ڈالو چلو ذہن اور موڈ کو تروتازہ کیا جائے۔ راشد کے دوست راشد کو لے کر صفدری کے کوٹھے پر لے آئے۔ رخسانہ نے پان کی گلوری ایک طشتری میں رکھ کر مسکراتے ہوئے سب کے سامنے پیش کی۔

راشد کے سامنے آکر رخسانہ نے مسکرا کر سلام کیا تو راشد اس کے حسن اس کی معصومیت اور اس کی ادا پر قربان ہو گیا۔ اس نے ۵۰۰ سو کا نوٹ طشتری میں رکھ کر پان اٹھالیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ناچ گانے کا پروگرام شروع ہو گیا جو رات بارہ بجے تک چلا۔ راشد نے دل کھول کر روپۓ نچھاور کیۓ۔ اب راشد کے آنے کا سلسلہ شروع ہو گیا وہ روز رات میں آتا پانچ سو روپیہ کا پان کھاتا اور رخسانہ کے ناچ گانے پر دل کھول کر پیسے لٹاتا۔

ایک دن صفدری نے رخسانہ کو سمجھایا ''یہ راشد پیسے والے گھر کا لڑکا لگتا ہے۔ لگتا ہے اس کا دل تم پر آگیا ہے۔ تم اس پر خاص دھیان دیا کرو اور مستقبل کے لئے کوئی فیصلہ اگر لینا چاہتی ہو تو لے سکتی ہو''۔ رخسانہ نے جواب دیا ہاں آپ کہتی تو ٹھیک ہیں مگر میں امجد کے سوا کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی ہاں اتنے دنوں میں مجھے اتنا اندازہ ہو گیا ہے کہ راشد ایک شریف اور نیک انسان ہے''۔

اس کے بعد سے رخسانہ راشد پر خاص دھیان دینے لگی۔ دن گزرتے رہے ایک دن دوپہر میں راشد کوٹھے پر آگیا صفدری نے بہت عزت سے اسے بٹھایا اور رخسانہ کو ٹھنڈا لانے کو کہا تھوڑی دیر میں رخسانہ کچھ ناشتہ اور ٹھنڈا لے کر آگئی دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے رخسانہ نے کہا۔

''راشد تمہارا آنا مجھے اچھا لگتا ہے بتاؤ تمہارے گھر میں اور کون کون ہے تمہاری شادی ہو گئی؟''۔

راشد نے جواب دیا۔ ''نہیں میری ابھی شادی نہیں ہوئی ہے زندگی میں ہم سفر بننے کے لئے میں تمہارا ہاتھ مانگتا ہوں'' رخسانہ بولی ہم لوگ بدنام لوگ ہیں

جس طرح انسان کوڑھ کے مریض سے دور بھاگتے ہیں اور تمہارے اس فیصلہ سے تمہارے خاندان میں تمہاری بہت بدنامی ہوگی اور تمہارا سنہرا مستقبل اندھیرے میں ڈوب جائے گا اس لئے آج کے بعد تم اس کوٹھے کا رخ بھی مت کرنا حالانکہ تمہارے نہ آنے سے مجھے ایک کمی کا احساس ہوگا مگر تمہارے آنے والے وقت کے لئے یہ ضروری ہے''۔

رخسانہ کے ہاتھ پر دوہزار روپے رکھ کر راشد اٹھ گیا رخسانہ نے پیسے فوراً واپس کر دیئے اور خدا حافظ کہہ کر دروازہ بند کرلیا۔

رخسانہ کی زندگی جیسے ایک مقام پر آکر ٹھہر سی گئی تھی۔اپنی کمائی کا زیادہ تر حصہ وہ غریب لڑکیوں کی شادی یتیم خانہ اور غریب بچوں کی تعلیم پر خرچ کرتی۔ صفدری کی لڑکی بی اے میں پڑھ رہی تھی ایک دن وہ کالج سے گھر نہیں لوٹی صفدری نے اس کی سہیلیوں سے دریافت کیا مگر کچھ پتہ نہیں لگ سکا آخر میں تھک ہار کر پولیس میں رپورٹ لکھائی مگر لڑکی کا کوئی سراغ نہ لگا۔اس حادثہ نے صفدری کے دل ودماغ پر بہت برا اثر ڈالا اور بیمار پڑگئی رخسانہ نے اسے اچھے سے اچھے ڈاکٹروں کو دکھایا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔رخسانہ دل وجان سے اس کی تیمارداری میں لگی رہتی ایک دن صفدری نے رخسانہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''بیٹی میں تم سے بہت شرمندہ ہوں مجھے ہوٹل فون کر کے بلایا گیا تھا ہوٹل کے منیجر نے مجھ سے دوہزار روپئے لئے تھے تم ایک سگی بیٹی سے بڑھ کر خدمت کر رہی ہو مگر میں نے تمہاری محبت تمہارے امجد سے تمہیں جدا کر دیا مگر پھر بھی میرے دِل کو اطمینان ہے کہ کسی مرد کی پرچھائیں سے تم کو بچا کر رکھا، ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔

''امجد تو اب تم کو نہ مل سکے گا راشد بھی اچھا لڑکا ہے تم کو چاہتا بھی ہے تم اس کا ہاتھ تھام لو اور اس نرک کی زندگی سے دور ہو جاؤ''۔

رخسانہ بولی۔ ''خالہ ہم لوگ کمرے کی رونق، بستر کی زینت تو بن سکتے ہیں مگر کسی مکان، کسی گھر کی عزت نہیں بن سکتے اسی لئے میں راشد کو بہت پہلے ہی انکار کر چکی ہوں خالہ جان اتنا وقت گزر گیا باقی وقت بھی اچھا ہی گزرے گا''۔

راشد اپنے والدین کی اکلوتی اولاد اور کئی فیکٹری کا مالک تھا اس کی شادی بہت ہی خوبصورت اور پڑھی لکھی لڑکی سے ہوئی تھی وہ بھی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی راشد اس شادی سے خوش تھا۔ ایک دن راشد رخسانہ کے کوٹھے پر گیا اور اسے اپنی شادی کے بارے میں بتایا کچھ دیر وہاں ٹھہر کر وہ واپس چلا گیا۔

ایک دن راشد کا ایکسیڈنٹ ہو گیا خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے خون کی ضرورت پڑی لیکن اس کا گروپ O Negative تھا جو کسی بھی بلڈ بینک میں دستیاب نہیں تھا راشد کے والد نے T.V. پر اشتہار دیا اور یہ بھی کہا خون دینے والے کو منہ مانگی قیمت دی جائے گی۔ رخسانہ خبر سن کر فوراً اسپتال پہونچ گئی اور دو بوتل خون دیا راشد کے والد نے اسے قیمت دینی چاہی مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا۔

دوسرے دن رخسانہ اسپتال گئی راشد کو ہوش آ چکا تھا اس کی بیوی فریدہ اس کے پاس ہی بیٹھی تھی منیجر نے بتایا انہیں میڈم نے خون دے کر صاحب کی جان بچائی ہے۔

فریدہ نے رخسانہ کا ہاتھ تھام لیا اور بولی بہن آپ نے میرے سہاگ کی جان بچائی ہے آپ کا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔

صفدری کا انتقال ہو گیا مرنے سے پہلے اس نے مکان رخسانہ کے نام لکھ

دیا۔ راشد اکثر رخسانہ کی خیریت معلوم کرنے اس کے گھر جاتا۔ راشد کاروباری سلسلہ میں آسٹریلیا گیا ہوا تھا دس دن بعد لوٹ کر آیا تو رخسانہ کے گھر گیا رخسانہ کی طبیعت بہت خراب تھی راشد اسے لے کر لکھنؤ پی جی آئی گیا وہاں ڈاکٹروں نے کینسر بتایا راشد بولا۔

''میں تم کو لے کر امریکہ چلوں گا وہاں تمہارا علاج ہو جائے گا۔ رخسانہ بولی۔ ''میرے پاس جو بھی پونچی تھی وہ خالہ کے علاج اور پھر اپنے علاج میں خرچ کر چکی ہوں اب بس یہ مکان ہی بچا ہے۔

راشد نے کہا میں نے تم سے پیسوں کا تذکرہ کب کیا تم میرے ساتھ امریکہ چلوگی وہاں آپریشن ہوگا اس کا جو بھی خرچ آئے گا سب میرے ذمہ رہے گا''۔

رخسانہ بولی میں اکیلی تمہارے ساتھ کیسے اور کس رشتہ سے جا سکتی ہوں تمہاری بیوی اور سماج کو اعتراض ہوگا۔

راشد واپس آ گیا اور دوسرے دن فریدہ کو ساتھ لے کر رخسار کے گھر آیا فریدہ بولی۔

'' بہن تم نے میرے شوہر کی جان بچائی ہے اس لئے راشد پر تمہارا بھی حق ہے میں راشد کو اجازت دیتی ہوں کہ وہ تمہارے علاج کے لئے تم کو امریکہ لے کر جائے اور پھر جب تم لوٹ کر صحت یاب ہو کر آؤ گی تو تم میرے پاس رہو گی تمہاری دیکھ بھال کا ذمہ میرا ہوگا۔

راشد اسے لے کر امریکہ چلا گیا وہاں اس کا کامیاب آپریشن ہوا۔ ۱۵ دن بعد دونوں واپس لوٹ آئے رخسانہ نے کچہری میں جا کر مکان راشد کے نام

لکھا اور راشد کو اس بارے میں کوئی جانکاری نہ دی۔ ایک ہفتہ کے بعد رخسانہ کی طبیعت پھر بگڑ گئی نرسنگ ہوم میں بھرتی کیا گیا صبح شام راشد اور فریدہ دیکھنے آتے تھے ایک دن رخسانہ نے راشد سے مخاطب ہو کر کہا زندگی میں مجھ سے کوئی نیک کام ہوا کہ اللہ نے تم جیسا دوست فریدہ جیسی بہن کو میری دیکھ بھال کے لئے مقرر کر دیا تمہاری چاہت کی میں شکر گزار ہوں اور فریدہ کی احسان مند ہوں۔

کچھ ہی دنوں بعد رخسانہ کی موت ہو گئی صفدری کے بغل میں اس کی قبر بنی رخسانہ کا مکان بیچ کر راشد نے شاندار مزار بنوا دیا اور ایک مولوی صاحب کو مقرر کر دیا جو روزآنہ اس کی قبر پر قرآن خوانی کرنے ہر جمعہ کو مدرسہ کے بچے آ کر قرآن مجید پڑھ کر رخسانہ کے نام بخشتے راشد بھی اکثر اس کی قبر پر فاتحہ پڑھتے۔

رخسانہ نے امجد کی چاہت میں غلط قدم اٹھا لیا مگر اس کے انتظار میں عمر کاٹ دی۔ اتنی غلط جگہ رہ کر بھی نماز، تلاوت قرآن سے کبھی غافل نہ رہی غریب لڑکیوں اور بچوں کی مدد دل بھر کے کرتی منہ بولی خالہ کی خدمت جی جان سے کی شاید اللہ نے اس کی غلطی کو معاف کر کے راشد جیسا دوست اسے دیا تھا جو اس کی موت کے بعد بھی اس کی بخشش کے لئے انتظام کر رہا تھا۔

مجبوری ہی عورت کو بناتی ہے طوائف
ہر دل کو اداؤں سے لبھاتی ہے طوائف
ہے جذبۂ ہمدردی و انسانیت اس میں
فیروز محبت بھی دکھاتی ہے طواف

☆☆☆

''علم کی دولت''

صادق نے کے جی انٹر کالج ضلع بلرامپور تحصیل اترولہ سے انٹر پاس کر کے کانپور حلیم مسلم پوسٹ گریجویٹ کالج میں بی اے کا فارم داخل کیا رہنے کے لئے چمن گنج میں کرایہ کا ایک کمرہ اوپری منزل پر لے لیا۔ مالک مکان بھی اسی مکان کی نیچے کی منزل پر رہتے تھے۔ نوین مارکیٹ میں مالک مکان کی کپڑے کی دوکان تھی مالک مکان کو ادبی دنیا سے بہت دلچسپی تھی غزل کی دنیا میں ان کا نام روشن تھا مشاعرہ میں شرکت کرتے تھے۔ صادق کالج کے بعد ٹیوشن کر کے اپنے اخراجات پورے کرتا تھا کیونکہ کہ ایک بہت ہی غریب کسان خاندان کا لڑکا تھا۔ صادق جب ٹیوشن کر کے گھر لوٹتا تھا تو اس کے مکان مالک اطہر اسے اکثر بلا لیتے تھے اور اپنی غزلیں صادق سے پڑھاتے تھے۔ صادق کی آواز کا ترنم سن کر اطہر خوشی سے پھولے نہیں سماتے کبھی کبھار اطہر اپنے ساتھ مشاعرے میں بھی لے جاتے۔ ایک دن اناؤ میں ایک مشاعرہ میں دونوں ساتھ ساتھ گئے اطہر نے اپنی غزل صادق سے پڑھوائی جو بہت مقبول ہوئی سامعین نے واہ کی بھرمار کر دی۔ صادق سے کئی مرتبہ غزل پڑھائی گئی غزل کے مقطع کو صادق نے کئی بار پیش کیا اس مشاعرے میں صادق ایک نمبر کے شاعر بن گئے اب صادق کو پڑھائی کے ساتھ ساتھ غزل سے بھی دلچسپی ہوگئی۔ صادق اب خود غزل لکھنے لگے۔ جب غزل لکھتے تو اطہر اس کی

اصلاح کر دیتے تھے صادق کو خداداد صلاحیت غزل میں حاصل ہوگئی۔ صادق اب اپنی لکھی غزل کو مشاعرے میں پڑھتے صادق کو رنگ و روپ قد ترنم سب ہی چیزوں سے خدا نے نوازا تھا۔ صادق محفل میں کہتے کہ میرے استاد اطہر صاحب ہیں انھیں کی محنت اور کاوشوں سے ہم غزل کی دنیا میں پہچان بنا پائے ہیں اطہر صاحب کہتے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ غزل کی دنیا میں یہ نام پیدا کریں گے۔

بی اے کا نتیجہ نکل آیا صادق کامیاب ہوگیا صادق نے ایم اے اردو میں داخلہ لے لیا۔ اطہر اور صادق اتر پردیش سے باہر بھی مشاعرے میں جانے لگے کبھی کبھار صادق مشاعرے کے اسٹیج پر اعلان کر دیتے کہ میرے استاد اطہر صاحب نے جان بوجھ کر ہلکی غزل پڑھی ہے کیونکہ میں ان کا شاگرد ہوں یہ میری ہمت اور ناموری کے لئے کوشاں ہیں۔ مشاعرے میں جو پیسہ ملتا صادق اس پیسے کو اطہر کو دے دیا کرتے تھے۔ مگر اطہر صادق کے سر پر ہاتھ رکھ کر رقم واپس کر دیتے تھے۔ صادق بیچ بیچ میں افسانہ لکھ کر اخبار و رسائل میں بھی بھیجتا رہتا۔ ایم اے فائنل صادق نے مکمل کر لیا اور وہ اچھے نمبروں سے پاس ہوگیا وقت گزرتا گیا صادق کا مشاعرے میں دعوت نامہ اکیلے آتا صادق انکار کر دیتا۔ اطہر نے صادق کو سمجھایا کہ تم کو بلایا جا رہا ہے تم انکار مت کرو۔ اب صادق تنہا ہی مشاعرے میں جانے لگا۔ اکثر ٹی وی پروگرام میں صادق کا بلاوا آجاتا صادق کا نام گنے چنے شاعروں میں ہونے لگا۔ ملیح آباد کے نواب نے اپنے یہاں ایک مشاعرہ منعقد کیا جس میں صادق کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ شہر کے ایم پی اور سینٹرل منسٹر بھی اس میں شرکت کر رہے تھے۔ بہت ہی عالیشان مشاعرہ تھا۔ ہندوستان کے نامور شاعر اور کویوں کا بلایا گیا تھا۔ سوچنا

اور پرسارن منتری کے ساتھ بمبئی کے جانے مانے فلم ڈائرکٹر ہریش بھی تشریف لائے تھے۔ مشاعرہ شب میں شروع ہوا نظامت کرنے والے نے صادق صاحب کو افسانہ نگار غزل اور گیت کار کہہ کر اسٹیج پر بلایا۔ صادق نے غزل پڑھی سامعین نے بھرپور داد و تحسین سے نوازا پھر دوبارہ غزل پڑھنے کی فرمائش ہوئی اس کے بعد صادق نے ایک گیت بھی پیش کیا جس سے پوری محفل میں مستی اور سرور کا عالم چھا گیا۔ صادق گیت کو پڑھنے کے بعد واپس اپنی نشست پر پہونچ گئے۔ اسی وقت فلم کے ڈائریکٹر ہریش نے اپنا کارڈ نکال کر صادق کو پیش کیا اور اصرار کرنے لگے کہ تم میرے ساتھ بمبئی چلو میں تم کو فلموں میں جگہ دلا دوں گا۔ صادق نے کہا ان شاء اللہ میں بمبئی ضرور آؤں گا۔ ہریش نے کہا جب کانپور سے روانہ ہونا تو ٹرین کا نام اور بوگی نمبر بتا دینا ہم تم کو اسٹیشن پر خود آ کر لے لیں گے مشاعرہ ختم ہو گیا سب لوگ اپنے اپنے مقام پر واپس ہو گئے۔ صبح ناشتہ کے بعد سبھی شاعروں کو رخصت کر دیا گیا۔ مگر نواب صاحب نے صادق کو روک لیا اور بولے بیٹا آج رک جاؤ میری بیگم اور میری بیٹی کی فرمائش ہے وہ تم سے کچھ نئی غزلیں سننا چاہتی ہیں۔ صادق نے کہا کہ مجھے آپ کا حکم منظور ہے۔ اسی وقت صادق نے نواب صاحب کی مہمان نوازی خاطر مدارات اور خوش اخلاقی دیکھ کر ایک تازہ نظم ان کے اوپر لکھی اور پڑھ کر سنا دی۔ جسے سن کر نواب صاحب خوشی سے جھوم اٹھے کچھ نعتیں اور نئی غزلیں بھی پیش کیں۔ نواب صاحب کی لڑکی ماہ پارہ صادق کے سامنے بیٹھی تھی وہ ہر مصرعہ پر اچھل اچھل کر داد دے رہی تھی ماہ پارہ صادق سے بولی آپ شاعر بے مثال ہیں اور زود گو بھی ہیں نواب صاحب بولے بیٹا تعلیم کہاں تک حاصل کی ہے۔

صادق نے کہا کہ میں نے کانپور سے ایم اے مکمل کیا ہے۔ نوکری کے لئے کئی جگہ درخواست دے رکھی ہے دیکھئے قسمت کدھر کا رخ موڑ دے یہ آنے والا وقت بتائے گا۔ ماہ پارہ بولی میرے اچھے ابو آپ صادق کو آج بھی روک لیں، نواب صاحب بولے اچھا بیٹا صادق آج بھی یہاں رک جاؤ صادق نے کہا نواب صاحب میرے مشاعرے کا پروگرام ہے۔ نواب صاحب بولے تمہیں ہر قیمت پر رکنا ہے میری بیٹی کی یہ خواہش ہے تم کو مشاعرے میں جو پیسہ ملتا ہے میں تمہیں اس سے زیادہ دے دوں گا۔ میری بیٹی کی خواہش کو نہ ٹھکراؤ۔ صادق نے کہا نواب صاحب پیسے کی کوئی بات نہیں کیونکہ یہاں آکر مجھے اپنا پن محسوس ہوا ہے۔ آپ لوگوں کی محبت اور پیار کو میں بھول نہیں سکتا ہوں۔ نواب صاحب نے آواز دی کہ ناشتہ لے کر آؤ۔ ناشتہ کرنے کے بعد نواب صاحب بولے ہم ذرا ضروری کام سے دوسرے گاؤں تک جا رہے ہیں۔ تم یہیں آرام کرو ماہ پارہ صادق کے پاس آکر بیٹھ گئی اور کہنے لگی آپ کے کتنے بچے ہیں صادق نے کہا کہ ابھی میری شادی ہی نہیں ہوئی ہے۔ ماہ پارہ تپاک سے بولی تم مجھ سے شادی کروگے۔ میں نے امسال بی اے پاس کر لیا ہے میرا رنگ وروپ بھی بہتر ہے اگر میں تم کو اچھی لگتی ہوں تو میں ممی سے شادی کی بات کروں۔ صادق بولا ابھی نوکری نہیں لگی ہے۔ کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں غریب خاندان سے تعلق ہے۔ بہت سی وجہیں ہیں جو میرے درمیان حائل ہیں۔ ماہ پارہ بولی کہ جو بات ہم پوچھ رہے ہیں تم اس کا جواب دو۔ "ہم تم کو اچھے لگتے ہیں یا نہیں"۔ صادق بولا ارے ماہ پارہ تم تو حسن کی پری ہو۔ خدا بہت کم لوگوں کو حسن وشباب اور علم عطا کرتا ہے۔ ماہ پارہ بولی تم میری تعریف

کررہے ہو میرا سوال یہ ہے کہ تم مجھ سے شادی کروگے کہ نہیں۔ مجھے اس کا جواب دو۔ مہربانی کرکے تم ہاں میں جواب دو۔ صادق بولا ابھی ہم دلدل سے نکلنے کے لئے خود ہاتھ پاؤں چلا رہے ہیں۔ تبھی ماہ پارہ کی ممی کمرے میں داخل ہو گئیں۔ ماہ پارہ اٹھ کر جانے لگی۔ ممی نے کہا کہ ماہ پارہ بیٹھو ماہ پارہ اگر تم کو یہ رشتہ پسند ہے تو تمہاری شادی صادق سے ہو کر رہے گی۔ اسی وقت نواب صاحب تشریف لے آئے اور بولے کہ بھائی ہم بھی دیکھیں کس کی شادی ہو رہی ہے۔ ماہ پارہ کی ممی بولیں۔ ماہ پارہ نے اپنی شادی صادق سے کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ مگر صادق نے ابھی تک کوئی فیصلہ کن جواب نہیں دیا ہے۔ نواب صاحب بولے بیٹا کیا وجہ ہے صادق نے کہا نواب صاحب ہم آپ لوگوں کے اخلاق اور ذرہ نوازی کے بہت ہی مشکور ہیں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں ہم کسی قابل ہو گئے تو شادی کرنے کے لئے آپ لوگوں کی دہلیز پر ضرور آئیں گیبس تھوڑا وقت کا انتظار ہے ماہ پارہ صادق سے بولی آج آپ اور رک جائیں صبح بس سے واپس چلے جایئے گا۔ سب لوگوں نے ساتھ میں کھانا کھایا۔ ماہ پارہ نے صادق سے پھر ایک غزل کی فرمائش کی۔ صادق نے محبت بھری ایک غزل جس میں محبوب کی رضامندی بھی شامل تھی سنائی۔ ماہ پارہ کی خوشی کا اظہار اس کے چہرے سے عیاں ہو رہا تھا۔ صبح کے وقت صادق تیار ہو کر حویلی سے باہر نکلے تب ہی ماہ پارہ نے صادق کو آواز دی۔ نواب صاحب بولے جاؤ بیٹا تم میرے بیٹے ہو یہ تمہارا ہی گھر ہے۔ صادق کمرے میں داخل ہوا ماہ پارہ کے آنسو چھلک کر گرنے لگے صادق سے لپٹ کر رونے لگی صادق تم مجھے بھول نہ جانا میں تمہارا انتظار کروں گی۔ صادق نے کہا کہ ہم نے وعدہ کیا ہے ہم خود سے ضرور

تمہارے در پر پھر شادی کے لئے آئیں گے۔ صادق کمرے سے نکل کر حویلی کے باہر آگیا۔ نواب صاحب حسب توقع بہت سی رقم صادق کو دینے لگے صادق بولا آپ لوگوں کا پیار اور اخلاق ہی بہت ہے اور رقم واپس کردی آپ لوگوں کا شفقت بھرا ہاتھ میرے سر پر قائم رہے یہی میرے لئے کافی ہے۔ تب ہی ماہ پارہ فوراً باہر آگئی اور اپنے ابو کے ہاتھ سے پیسے لے کر صادق کی جیب میں ڈال کر بولی تم کو میری قسم ہے اس رقم کو رکھ لو اور جب بھی موقع ملے تم یہاں آتے رہنا یہ تمہارا گھر ہے اور ہم لوگ تمہارے ہیں۔ صادق بس اسٹینڈ پہونچ کر واپس کانپور آگیا۔ شام کو ہریش کا فون آیا تم بمبئی کیوں نہیں آرہے ہو۔ صادق نے کہا کہ ابھی تو ہم ملیح آباد سے واپس لوٹ کر آئے ہیں۔ ہریش نے کہا شام کو بمبئی وی ٹی کا ریزرویشن کرا کر مجھے فون پر اطلاع دو تاکہ ہم تم کو اسٹیشن پر آکر لے لیں۔ ہم تمہارے فون کا انتظار کر رہے ہیں۔ صادق نے ریزرویشن کرا کر اس کو فون سے اطلاع دے دی اور گاڑی نمبر اور بوگی نمبر لکھا دیا۔ دوسرے دن صادق بمبئی کے لئے ٹرین پر بیٹھ گئے۔ ہریش سے ملاقات بمبئی اسٹیشن پر ہوگئی ہریش نے کئی فلمی پروڈیوسروں سے ملاقات کرائی۔ ایک فلم پروڈیوسر نے کہانی ڈائیلاگ اور گانا لکھنے کے لئے پیش کش کردی اور پچیس ہزار روپیہ ایڈوانس بھی دے دیا۔

ماہ پارہ کے رشتے کے لئے ایک میرج بیورو والے ڈاکٹر خاں صاحب نواب صاحب سے ملے اور کہنے لگے بٹیا کے لئے میں ایک اچھا رشتہ لے کر آیا ہوں ۔ لڑکا خاندانی ہے لیکچرار ہے۔ خود کا مکان ہے یہ لڑکے کا فوٹو ہے۔ نواب صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ ماہ پارہ کا رشتہ قریب قریب صادق سے طے

ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر خاں نے کہا کہ صاحبزادے کیا کرتے ہیں۔ نواب صاحب
بولے تقریباً دو مہینے ہو گئے ہیں میں نے ملیح آباد میں ایک مشاعرہ منعقد کرایا تھا اسی
مشاعرے میں صادق نے غزل پڑھی سامعین اور مجمع کو اس کی غزل بے حد پسند آئی
لڑکا ایم اے پاس ہے۔ خوبصورت اور خوب سیرت ہے میری بیگم نے فوراً ماہ پارہ
کا رشتہ طے کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب بولے نواب صاحب آپ نے دنیا دیکھی ہے۔
زندگی کے تمام اتار چڑھاؤ دیکھ چکے ہیں۔ افسانہ نگار نے اپنے دماغ اور قلم سے
کوئی افسانہ لکھا کسی رسالے میں بھیج دیا اگر افسانہ اچھا ہوا تو دو چار جگہ سے فون آئے
اور شکریہ ادا ہو گیا غزل مشاعرے میں پڑھی گئی سامعین نے داد و تحسین دے دی
نواب صاحب آپ خود سوچیں کہ شکریہ اور داد و تحسین کو نہ اوڑھا جا سکتا ہے اور نہ
بچھایا جا سکتا ہے۔ زندگی گزارنے کے لئے بہت سے چیزوں کی ضرورت پڑتی
ہے۔ افیون کھانے والے کی افیون چھڑائی جا سکتی ہے۔ اسمیک پینے والے کی
اسمیک چھڑائی جا سکتی ہے مگر افسانہ نگار اور شاعر کو کوئی نہیں سمجھا سکتا۔ سب سے
بڑی بات یہ ہے کہ سب سدھر جائیں گے لیکن یہ لوگ نہیں سدھر سکتے۔

صادق نے بہت ہی سیریس (غمگین) اسٹوری لکھی اور گانے بھی لکھے
اور ہریش کو پڑھ کر سنایا۔ ہریش نے کہا بہت اچھی فلم بنے گی۔ ہریش نے صادق
سے کہا کہ اس اسٹوری اور گانے کو فلم ایسوسی ایشن میں رجسٹرڈ کرالو۔ تب تم اپنی
اسٹوری پروڈیوسر کو سنانا ورنہ تمہاری کہانی کو سن کو پرڈیوسر کہے گا کہ دوسری کہانی لکھو
اور تمہاری کہانی کو چرالے گا اور فلم بنا دے گا۔ دوسرے دن پروڈیوسر ہریش کے گھر
آئے صادق نے اپنی اسٹوری سنائی پروڈیوسر کو کہانی پسند آئی اور انھوں نے اسٹوری

اور گانے کو خرید لیا۔

ہریش اس فلم کے ڈائرکٹر تھے فلم بنی اور ہٹ ہوگئی۔ اب کئی پروڈیوسر صادق کے گھر کے چکر لگانے لگے صادق پروڈیوسر سے بولے فلم کی اسٹوری اور گانے کے بارے میں ہریش سے بات کریں کیونکہ فلم کے ڈائریکٹر ہریش ہی رہیں گے۔ چونکہ ہریش ہی صادق کو بمبئی لائے تھے صادق اس احسان کا بدلہ ہریش کو فلم دے کر چکا رہے تھے۔ ایک فلم کی اسٹوری لکھ کر صادق نے ہریش کو دیا۔ یہ بھی فلم ہٹ ہوگئی۔ صادق کے آگے پیچھے فلم والے گھومنے لگے اور پیسے کی بھرمار ہونے لگی کئی ہیروئینیں صادق سے تنہائی میں ملنے آتیں اور کہتیں کہ آپ میرے لئے ڈائریکٹر سے سفارش کر دیجئے۔ صادق کے دل میں کبھی کبھار ماہ پارہ سے ملنے کی ٹیس اٹھتی تھی مگر موقع نہیں مل پا رہا تھا کہ ملیح آباد جا کر ملاقات کر لیں۔ ماہ پارہ کی خالہ کی طبیعت اچانک بہت خراب ہوگئی ڈاکٹروں کے مشورہ سے ماہ پارہ نواب اور نواب صاحب کی اہلیہ گھر کے کئی لوگ علاج کرانے کی غرض سے بمبئی آ گئے شام کے وقت ماہ پارہ ٹی وی دیکھ رہی تھی، فلم فیئر ایوارڈ صادق کو پیش کیا جانے لگا ماہ پارہ ایک دم اچھل پڑی اور بولی ممی ممی دیکھو صادق کو فلم فیئر ایوارڈ پیش کیا جا رہا ہے۔ ماہ پارہ جس گھر میں رکی تھی اس سے بولی کہ ان کا فون نمبر مل جائے تو ہم لوگ چل کر ملاقات کریں۔ اس شخص نے کئی دوستوں سے فون ملا کر صادق کا نمبر لے لیا۔ نواب صاحب نے صادق کو فون ملایا۔ فون صادق کے پی اے نے اٹھایا۔ نواب صاحب پی اے سے بولے تم صادق سے بولو کہ ملیح آباد کے نواب صاحب ماہ پارہ کے ساتھ بمبئی آئے ہیں تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ پی اے نے صادق

سے کہا صادق فوراً فون پر نواب صاحب سے بات کرنے لگا۔ صادق نے کہا نواب صاحب آپ کہاں رکے ہیں ہم خود آپ سے ملنے آرہے ہیں تھوڑی دیر میں صادق جہاں نواب صاحب ٹھہرے تھے وہاں پہونچ گئے۔ صاق اپنی کار میں ان لوگوں کو اپنے بنگلہ پر لے آئے۔ تھوڑی دیر میں ناشتہ لگ گیا۔ صادق نے کہا نواب صاحب ہم اتنے مصروف ہوگئے تھے کہ آپ سے ملنے نہ آپائے۔ آج ہم آپ کی بیٹی ماہ پارہ کا رشتہ مانگ رہے ہیں۔ ماہ پارہ نے میرے بنگلہ پر قدم رکھا۔ اب یہ بنگلہ ماہ پارہ کا ہی ہے۔ جلد سے جلد کوئی تاریخ شادی کے لئے منتخب کردیں تا کہ یہ شادی بمبئی میں ہی کر لی جائے۔ نواب صاحب بولے میرے ایک ہی بیٹی ہے اس کی شادی میں نے دھوم دھام سے کرنے کا خیال بنا رکھا ہے۔ تم ملیح آباد بارات لے کر آؤ۔ صادق نے جواب دیا کہ ہم اتنے مصروف ہیں کہ بمبئی فی الحال نہیں چھوڑ پائیں گے ماہ پارہ کی ممی بولی بیٹا جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہوگا۔ صادق نے کہا ممی آپ شادی کی تاریخ بتائیں ملیح آباد سے جن لوگوں کو آنا ہے ان کو بلا لیں ان کا آنے جانے کا خرچ بھی سب میرے ذمہ رہے گا۔

بڑی مشکل سے دس دن کے بعد کی تاریخ رکھ دی گئی اور فون کے ذریعے سب لوگوں کو بمبئی میں شادی میں شرکت کا دعوت نامہ دے دیا گیا۔ دوسرے دن صادق ماہ پارہ اور نواب صاحب کو لے کر جیولری کی دوکان پر پہونچ گیا اور ماہ پارہ سے بولا کہ تم کو جو سیٹ پسند آئے وہ تم لے لو پیسے کی فکر مت کرو۔ مجھے تمہاری پسند درکار ہے۔ اس کے بعد ایک کپڑے کی دوکان پر پہونچ گئے وہاں سے ساڑیاں لانچھہ اور بہترین قسم کے لیڈیز سوٹ خرید لئے۔ دن گزرتے دیر نہیں لگی اور شادی

کی تاریخ آ گئی۔ ماہ پارہ کو بیوٹی پارلر میں لے جا کر سجایا گیا۔ وہاں سے سیدھے میرج ہال میں ٹی وی چینل والے اور اخبار والے بھی وہاں موجود تھے نواب صاحب کے پاس بمبئی کے چیف منسٹر اور رسنیٹرل کے سوچنا پرسارن منتری بھی تشریف فرما تھے۔ نکاح ہونے کے بعد سب لوگوں نے ڈنر کیا اور ماہ پارہ رخصت ہو کر اپنے بنگلے میں آ گئی۔ بنگلہ دولہن کی طرح سجا ہوا تھا۔

اس تقریب کے بعد نواب صاحب اور ان کی اہلیہ اور ان کی سالی صاحبہ بھی ملیح آباد واپس لوٹ آئے۔ ایک دن ڈاکٹر خان کی ملاقات نواب صاحب سے ہوئی۔ ڈاکٹر خان بولے نواب صاحب، آپ نے ایسا ہیرا چن کر بیٹی کی شادی کر دی ہم لوگ ٹی وی چینل پر سارا پروگرام دیکھ رہے تھے۔

اخبارات میں نکاح کے وقت کا فوٹو شائع ہوا تھا۔ نواب صاحب نے کہا ڈاکٹر خان یہ وہی صادق ہیں جو ملیح آباد میں مشاعرہ پڑھنے آئے تھے۔ یہ افسانہ نگار اور شاعر ہی ہے۔ آپ اپنے دل سے یہ بات نکال دیں کہ شاعر اور افسانہ نگار سماج میں اچھی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔

تُم کو عزّت ملی ہے دولت بھی
لازمی اُن کی ہے حفاظت بھی
اپنی شہرت سنبھال کر رکھنا
روٹھی ہے فیروز قسمت بھی

☆☆☆

ریت کا محل

اپنی مفلسی، تنگدستی اور خستہ حالی سے عاجز ہوکر شفیق نے اپنا گاؤں طرب گنج ضلع بلرامپور چھوڑ دیا اور کانپور آ گیا۔ مول گنج میں دو دن تک مزدوری کرتا رہا پھر کرائے پر لے کر رکشہ چلانا شروع کیا، اکثر مول گنج سے پریڈ کی سواریاں پہونچاتا بہت محنت کے دن بھر میں پچاس ساٹھ روپئے کمالیتا۔ اس کے بعد اس نے دن رات کے لئے رکشہ کرایہ پر لے لیا۔ ایک دن مول گنج میں ۱۱ بجے دن میں ایک لڑکی نے رکشہ روکا اور شجاعت گنج چلنے کو کہا شفیق نے بتائے ہوئے پتہ پر اسے پہنچادیا اور لڑکی سے کرایہ لیتے ہوئے بٹوے میں رکھ ہی رہا تھا کہ وہ بولی ''تم میرے ساتھ لگے رہو کمائی اچھی ہوگی، فکر نہ کرنا تم یہیں رک کر میرا انتظار کرنا، تمہاری محنت سے زیادہ تم کو پیسہ ملے گا''۔ اور پھر وہ سامنے والے مکان میں داخل ہوگئی۔ دو گھنٹہ بعد واپس آئی اور رکشہ میں بیٹھ کر بولی۔ ''بڑا چلو'' شفیق نے اسے بڑا آٹھ پہونچادیا وہاں بھی وہ ایک مکان کے اندر داخل ہوگئی اور کافی دیر بعد واپس ہوئی اور مول گنج جانے کے لئے رکشہ پر بیٹھ گئی رکشہ سے اتر کر اس نے سو روپئے دیئے شفیق حساب لگانے لگا کہ کتنا پیسہ واپس کرنا ہے لڑکی نے بیس (۲۰) روپئے اور دیئے اور بولی ''چائے پی لینا'' شفیق بولا ''میم صاحب یہ پیسے کیوں دیئے ہیں مجھے تو سو روپئے میں بھی آپ کو واپس کرنا ہیں'' لڑکی بولی ''رات میں

سات بجے پھر چلنا ہے'' شفیق دن بھر سواری ڈھوتا رہا شام سات بجے رکشہ کھڑا کرکے اس لڑکی کا انتظار کرنے لگا۔ ساڑھے (7:30) بجے وہ آئی اور بولی '' راوت پور چلو'' شفیق چلتا رہا وہ راوت پور سے ساکیت نگر گئی اور رات گیارہ (11) بجے مول گنج واپس ہوئی سو روپے دے کر بولی '' کل دس (10) بجے آجانا مجھے کالج چھوڑ دینا'' دوسرے دن اسے کالج چھوڑ کر شفیق سوچنے لگا '' میم صاحب پڑھتی بھی ہیں ''۔ شام چار (4) بجے کالج گیٹ پر پہونچا ہی تھا کہ فرزانہ نظر آگئی رکشہ پر بیٹھ کر بولی۔ '' رامادیوی چلو '' وہاں دو گھنٹہ بعد ایک مکان سے نکلی اور پھر جاج مئو چلی گئی۔ وہاں سے اس کی واپسی رات (9) بجے ہوئی گھر پہنچ کر اس نے شفیق کو ۲۵۰ روپئے دیئے وہ بولا۔ '' میم صاحب آپ میری محنت سے بہت زیادہ پیسے دیتی ہیں '' فرزانہ بولی '' تم میرے ساتھ رہتے ہو میں اپنے آپ کو بہت محفوظ محسوس کرتی ہوں، جب تک تم میرے سامنے رہتے ہو مجھے سکون اور راحت محسوس ہوتی ہے کل میرے کالج میں چھٹی ہے موتی جھیل میں بیٹھیں گے تب کھل کر باتیں کریں گے ''۔ دوسرے دن شفیق نے ۱۰ بجے رکشہ فرزانہ کے گھر کے سامنے لگا دیا دونوں موتی جھیل میں جا کر گھاس پر بیٹھ گئے۔ شفیق نے اسے اپنا نام بتایا پھر لڑکی نے اپنی داستان سنانا شروع کی '' میرا نام فرزانہ ہے میں گونڈہ کی رہنے والی ہوں، میرے باپ کا بچپن میں انتقال ہو چکا ہے، میرے چچا بچپن ہی میں گھر چھوڑ کر چلے گئے جو اب تک واپس نہیں آئے، میں نے گونڈہ سے انٹر میڈیٹ پاس کیا ہے، پھر منھ بولی موسی کے ساتھ میں آگے کی پڑھائی کے لئے کانپور

آ گئی ، میں نے موسی سے کہا کہ آپ میرے خرچ کے لئے پریشان نہ ہوں مکان کا
کرایہ اور کالج کا خرچ میں خود دے دیا کروں گی ۔ میں نے کالج میں داخلہ لے لیا
سوچا تھا کہ ٹیوشن کرکے پڑھائی پوری کروں گی تبھی ایک دن میری ایک سہیلی مجھے
گھمانے لے گئی وہ مجھے ایک مکان میں لے گئی ، میں ماحول دیکھ کر سارا ماجرا سمجھ گئی
مگر مجبور تھی ، دو گھنٹے بعد وہاں سے نکلی سہیلی نے چار (4) سو روپیہ مجھے دیا اور بولی
رکھ لو، گھر والے میری پڑھائی کا خرچ نہیں اٹھا سکتے اس لئے یہ راستہ چنا ہے، میں بھی
اس ڈگر پر چل نکلی ،موسی کو بتا دیا ہے کہ مجھے ٹیوشن مل گئے ہیں ، میں نے اپنے بارے
میں سب کچھ بتا دیا اب تم اپنے بارے میں بتاؤ۔ شفیق بولا ۔ ''میں بلرامپور کا
رہنے والا ہوں ، باپ نہیں ہیں ، چار بیگھ زمین ہے ، میری ایک بہن ہے ، ماں بہت
ضعیف ہیں ، آئے دن بیمار رہتی ہیں ، بہن کی شادی کرنا ہے اس لئے محنت مزدوری
کرنے کے لئے شہر آگیا ہوں ۔ فرزانہ نے پوچھا ۔ '' شادی ہوگئی ''۔ شفیق
بولا ۔ '' میں غریب آدمی ہوں آٹھویں کلاس سے آگے نہیں پڑھ سکا ، پہلے بہن کی
شادی ہو جائے پھر اپنے بارے میں سوچوں گا''۔ فرزانہ بولی ۔ ''تم جب شادی
کے بارے میں سوچنا میری طرف ایک نگاہ ڈال لینا میں تم کو دل سے چاہتی ہوں ''
۔ شفیق بولا ارے میم صاحب آپ اتنی خوبصورت اور پڑھی لکھی ہیں میں آپ کے
بارے میں ایسا کیسے سوچ سکتا ہوں ؟''۔ فرزانہ بولی ۔ ''ہم خوبصورت اور
پڑھے لکھے تو ہیں مگر داغدار ہیں ، تم مجھ سے شادی نہیں کرو گے ، بلکہ ہم تم سے شادی
کریں گے ، کیونکہ ہم تم کو دل سے چاہتے ہیں ،...... تم کہیں کرائے پر مکان لے لو

ہم بھی تمہارے ساتھ رہ لیں گے، تم اپنی بہن کے جہیز کا انتظام کرلو، جب بہن کی رُخصتی ہو جائے گی اس کے بعد ہم نکاح کر لیں گے، اور یہ غلط لائن ہم بند کر دیں گے ہماری محنت کی کمائی میں گذارا کر لیں گے، تم مکان جلد ہی تلاش کرلو کیونکہ موسی نے اپنے گھر کا سارا بوجھ کرائے سے لے کر راشن پانی تک میرے اوپر ڈال دیا ہے اس لئے مجبوری میں مجھے غلط کام کرنے پڑتے ہیں۔ شفیق ہم مجبور اور بے سہارا ہیں تم میرا ساتھ نہ چھوڑنا میں ٹیوشن کر کے خرچ نکال لوں گی "۔ موتی جھیل سے اٹھ کر دونوں گھر کے لئے روانہ ہو گئے، گھر پہنچ کر فرزانہ 100 / روپے دینے لگی تو شفیق بولا۔ " آپ کے دیئے پیسے میرے پاس جمع ہیں "۔ دوسرے دن رکشہ لے کر فرزانہ کے گھر ٹائم سے پہنچ گیا۔ فرزانہ روئی اور بولی۔ " رات میں میری طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی مجھے کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلو "۔ شفیق اسے لے کر ڈاکٹر کے پاس آیا ڈاکٹر نے چیک اپ کیا اور بولا۔ " مجھے شک ہے کہ تمہاری پت کی تھیلی میں پتھری ہے تم الٹرا ساؤنڈ اور خون کی جانچیں کرالو "۔ ڈاکٹر کی فیس 100 روپئے ادا کر کے دونوں باہر آ گئے۔ پیتھالوجی سینٹر پہنچے۔ وہاں پر دونوں جانچوں کی فیس 700 روپیہ بتائی گئی۔ فرزانہ سن کر پریشان ہوگئی شفیق بولا۔ " میم صاحب آپ پریشان نہ ہوں آپ کے دیئے ہوئے پیسے میرے پاس موجود ہیں ۔ تب ڈاکٹر بولا۔ " اگر میری بات مانو تو پورا الٹرا ساؤنڈ کرالو اور کچھ ضروری ٹیسٹ بھی کرالو ان سب میں 1600 سو روپئے کا خرچ آئے گا "۔ شفیق نے 1600 روپئے نکال کر دے دیئے ڈاکٹر نے رسید دے دی، فرزانہ کا الٹرا ساؤنڈ،

بلڈ ٹیسٹ اور کلچر وغیرہ ہوا رپورٹ دوسرے دن دینے کو کہا شفیق نے میڈیکل اسٹور سے 300 روپئے کی دوائیں خرید کر فرزانہ کو دیں اور انجکشن لگوانے ایک نرس کے پاس گیا انجکشن لگنے کے بعد فرزانہ کو گھر پہنچانے کے لئے رکشہ پر بٹھایا۔ فرزانہ بولی۔ "آج تمہارے بہت روپئے خرچ ہو گئے ہیں"۔ شفیق بولا "تو کیا ہوا۔ تم اپنا علاج کراؤ، میں تم کو ادھار پیسے نہیں دے رہا ہوں، نہ ہی شادی کے لالچ میں یہ سب کر رہا ہوں۔ ہم دونوں کے سر پر باپ کا سایہ نہیں ہے اس لئے ہمیں مل کر حالات سے لڑنا ہوگا"۔ دوسرے دن دس بجے فرزانہ کو لے کر پیتھالوجی سے رپورٹ حاصل کی۔ ڈاکٹر بولا۔ "پت کی تھیلی میں پتھری ہے آپریشن کرانا پڑے گا، خون کی کمی بھی ہے"۔ شفیق نے پوچھا۔ "آپریشن کا خرچ کتنا آئے گا" ۔ ڈاکٹر نے بتایا۔ "دس ہزار، جس ڈاکٹر کو تم نے دکھایا وہ سرجن بھی ہے ان کو ساری رپورٹ دکھاؤ وہ خود ہی آپریشن کا خرچ بتا دیں گے"۔ حیران پریشان فرزانہ باہر نکل کر بولی۔ "کیا آفت آ گئی، زندگی بھی ہاتھ سے نکل رہی ہے۔ اب تو درد سے کراہ کراہ کر جان نکلے گی۔ شفیق بولا۔ "رکشہ میں بیٹھو"۔ وہ فرزانہ کو لے کر موتی جھیل آ گیا اور اسے گھاس پر بٹھا کر بولا۔ "فرزانہ تم کیا بکواس کرتی ہو، تم نے خود ہی کہا تھا کہ مجھ سے تمہیں ڈھارس ہے اور اب ہم تمہارے سامنے ہیں پھر کیوں پریشان ہوتی ہو، تمہارا علاج ہوگا، پوری فیس دی جائے گی اب رونا بند کرو" کہہ کر شفیق نے اپنے رومال سے فرزانہ کے آنسو پونچھے فرزانہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر پھر رونے لگی شفیق بولا۔ "اللہ پر بھروسہ رکھو، وہ سب

کا مددگار ہے، ہماری بھی مدد کرے گا ''۔ شام کو ساری رپورٹ کے ساتھ شفیق ڈاکٹر کے کلینک گیا ڈاکٹر نے بتایا کہ پت کی تھیلی میں پتھری ہے آپریشن ہوگا مگر ابھی خون کی بہت کمی ہے۔ پندرہ (15) دن کچھ دوائیں اور انجکشن دو اس کے بعد خون ٹیسٹ کرانا تب آپریشن ہوگا ''۔ شفیق نے اس سے آپریشن اور اسپتال خرچ پوچھا۔ ڈاکٹر نے بتایا۔ '' دس ہزار کے لگ بھگ خرچ ہوگا ''۔ شفیق فرزانہ کو لے کر میڈیکل اسٹور گیا وہاں سے ایک ہزار کی دوائیں خریدیں۔ فرزانہ شفیق کو دیکھ رہی تھی کہ اس کے چہرے پر نہ تو اداسی تھی اور نہ ہی کوئی گھبراہٹ۔ دوائیں لے کر فرزانہ کو انجکشن لگوادیا اور اسے دلاسہ دے کر گھر چھوڑ آیا۔ دوا سے تکلیف میں کچھ کمی ہوئی تو فرزانہ نے کالج جانا شروع کردیا شام کو ٹیوشن پڑھانے لگی۔ فرزانہ نے پوچھا۔ '' اب کیا کیا جائے۔ آپریشن کے لئے پیسوں کا انتظام کیسے کیا جائے؟ ''۔ شفیق نے کہا۔ '' تم اس بارے میں بالکل مت سوچو۔ پندرہ دن بعد تمہارا خون ٹیسٹ کرا کر ڈاکٹر کو دکھائیں گے اور نرسنگ ہوم میں بھرتی کریں گے۔ آپریشن کے بعد تم بالکل ٹھیک ہوجاؤ گی اب آگے آپ کو اختیار ہے آپ جو بھی کرنا چاہیں ''۔ فرزانہ نے غلط لائن بند کردی۔ ٹیوشن پڑھا کر گھر آجاتی۔ پندرہ دن بعد نرسنگ ہوم میں بھرتی ہوئی وہاں اس کا آپریشن ہوا تین دن بعد گھر آگئی۔ شفیق نے سارا خرچ اٹھایا۔ فرزانہ نے پوچھا۔ '' اتنے پیسے کہاں سے آئے ''۔ شفیق نے بتایا۔

'' میرا خود کا رکشہ تھا۔ اسے چار ہزار روپے میں بیچ دیا۔ اور جس

کمرے میں ہم رہتے تھے اسے مکان مالک نے خالی کرالیا اس نے آٹھ ہزار روپے دیئے۔ اب کرائے پر لے کر رکشہ چلا رہا ہوں۔ اور رات میں رکشہ ہی پر سو جاتا ہوں۔ تم ٹھیک ہو گئیں اوپر والے کا بہت بڑا سہارا ہے۔ تم پڑھائی پوری کر لو۔ پھر کسی اچھے لڑکے کے ساتھ گھر بسا لینا تمہارا مستقبل سنور جائے گا۔ تم خوش رہو بس یہی میری تمنا ہے "۔ فرزانہ بولی۔ " ایک خوشی دے کر تم پوری زندگی کی خوشی دینے سے انکار کر رہے ہو۔ تم نے میری خوشی کی خاطر میرا علاج کرایا خود پریشانی میں رہ کر میرے اوپر پیسہ خرچ کیا، اب ہم کسی اور سے شادی کر لیں یہ بات مجھے بری لگی ہے۔ میں نے کہا ہے جب تمہاری بیوی کو دیکھ لیں گے تب اپنی شادی کے بارے میں سوچیں گے "۔

شفیق رکشہ کرائے پر چلاتا رہا۔ ایک دن اس کا مالک ملا سلام کر کے بولا۔

" صاحب آپ سے آٹھ ہزار روپے لئے تھے وہ روپیہ ہم آپ سے نہ لیتے مگر میرے ایک دوست کا آپریشن ہونا تھا اور مجھے پیسوں کی بہت ضرورت تھی آپ کے دیئے ہوئے پیسوں سے اس شخص کی جان بچ گئی گر زندگی میں آٹھ ہزار روپے جمع کر سکا تو آپ واپس کروں گا۔ یہ میرے اوپر ادھار ہے " مالک مکان بہت خوش ہوا کیونکہ آٹھ ہزار اس نے خود ہی آفر کئے تھے ورنہ وہ جگہ بیس ہزار میں بھی نہ خالی ہوتی پھر لینے والا خود ہی واپس کرنے کو تیار ہے۔ دن گزرتے رہے۔ شفیق نے آٹھ سو روپے پر مکان کرائے پر لے لیا۔ فرزانہ کو اس نے بتایا۔ " مکان میں نے لے لیا ہے ایک کمرہ ہے۔ لیٹرین باتھ روم وغیرہ سب بنا ہے بس

ایک چارپائی خریدنا ہے، مکان مالک کو ایڈوانس کرایہ دے دیا ہے ''۔ فرزانہ بولی۔ '' ایک نہیں دو چارپائی لینا اور ایک اسٹوو اور کچھ برتن بھی لے لینا ''۔ شفیق بولا۔ '' میں اکیلے ہی رہتا ہوں دو چارپائی کا کیا کام؟ اور کھانا ہوٹل سے کھاتا ہوں اس لئے برتن وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں ہے ''۔ فرزانہ نے کہا۔ '' ایک چارپائی میرے لئے ہوگی۔ میں اب تمہارے ساتھ ہی رہوں گی ''۔ شفیق نے اسے سمجھایا۔ '' فرزانہ تم جذباتی نہ بنو۔ پوری زندگی کا سوال ہے۔ تم جذبات میں بہہ کر مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو لیکن تم کو پڑھا لکھا اچھا لڑکا ملے گا۔ وقت کو گزرنے دو اور تم ابھی تو اپنی پڑھائی پوری کرلو۔ لیکن فرزانہ اپنی ضد پر اڑی رہی وہ اپنے گھر گئی موسی سے بولی۔ '' ہم گاؤں جارہے ہیں اور اپنا سارا سامان لپیٹ لیا اور صبح پانچ بجے شفیق کے گھر پہونچ گئی۔ شفیق نے دروازہ کھولا بولا۔

'' ارے فرزانہ تم ''

وہ بولی۔ '' ہاں میں۔ اب میں یہیں رہوں گی۔ سارے گھر کا کام کروں گی کھانا بھی پکاؤں گی۔ میرا بی اے کا آخری سال ہے دو مہینے بعد کالج بند ہوجائے گا ''۔ رات کو شفیق گھر پہونچا۔ فرزانہ نے کھانا نکال کر دیا اور کھانے کے بعد پوچھا۔ '' بولو کھانا کیسا بنا ہے؟ ''۔ شفیق نے کہا۔ '' کھانا اچھا بنا ہے۔ بہت دنوں بعد گھر کا کھانا کھایا ہے۔ طبیعت خوش ہوگئی ''۔ فرزانہ بولی۔ '' میں نے تم سے کہا تھا دو چارپائی لے لینا تم مانے نہیں۔ چلو ایک ساتھ ہی سو جائیں گے ''۔ شفیق بولا۔ '' تم چارپائی پر سو جاؤ۔ میں زمین پر سو جاتا ہوں ''

فرزانہ نے اسے زبردستی پلنگ پر سلا لیا تھا تھکاوٹ سے چور شفیق لیٹتے ہی سو گیا صبح کھانا کھا کر رکشہ لے کر نکل پڑا شام کو فرزانہ کو ٹیوشن والی جگہوں پر لے گیا۔ تین جگہ ٹیوشن پڑھا کر فرزانہ واپس گھر آ گئی وہ کھانا بنانے میں لگ گئی شفیق رکشہ لے کر نکل گیا رات میں واپس آیا۔ کھانا کھا کر لیٹ گیا۔ فرزانہ پیر دبانے لگی۔ شفیق منع کرتا رہا مگر وہ نہیں مانی پیر دباتی اور بیچ بیچ میں اسے پیار کر لیتی شفیق اسے الگ کر دیتا وہ اپنی ضد سے شفیق سے مل بیٹھی صبح صبح بولی۔ ''دیکھو شفیق اب ہم تمہاری بیوی ہو گئے ہیں اور تم میرے شوہر ہو گئے ہو۔ قاضی کو بلا کر نکاح کر لو۔ دس دن بعد میرا امتحان ختم ہو جائے گا پھر ساتھ ساتھ گاؤں چلیں گے''۔ دس دن بعد فرزانہ کا امتحان ختم ہوا۔ دونوں نے نکاح کر لیا۔ دو دن بعد دونوں گاؤں گئے وہ ماں سے بولی۔

''ماں ہم نے نکاح کر لیا ہے۔ تم بھی میرے ساتھ کانپور چلنا''۔

اسی وقت گاؤں کے پردھان آ گئے فرزانہ نے انھیں سلام کیا وہ بتانے لگی۔

''کل ڈاکیہ ایک رجسٹری لایا تھا وہ ولی محمد یا فرزانہ کے نام کی تھی۔ ولی محمد کا انتقال ہو گیا ہے اور تم گاؤں میں تھیں نہیں اس لئے میں نے اسے واپس کر دیا۔ بیٹی تم ڈاک خانے چل کر رجسٹری لے لو۔ وہ امریکہ سے آئی ہے''۔ گاؤں کے پردھان، شفیق اور فرزانہ تحصیل کے بڑے ڈاک خانہ گئے وہاں پردھان کی گواہی پر رجسٹری فرزانہ نے حاصل کی۔ اسے کھول کر دیکھا تو اس میں ایک بینک ڈرافٹ تھا اسے لے کر سب لوگ بینک گئے وہاں فرزانہ کے نام کا کھاتا کھولا گیا۔ منیجر نے فرزانہ کو

اپنے کیبن میں بلایا اور بولا۔ ” تم میری بیٹی کی طرح ہو اس لئے میں تمہیں ایک نیک صلاح دینا چاہتا ہوں لیکن پہلے وعدہ کرو کہ یہ بات تم اپنی ماں ، شوہر اور کسی سے بھی نہ کہو گی اگر تمہاری زبان سے یہ بات نکل گئی تو تمہارے اور شوہر دونوں کی جان کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ فرزانہ نے اس کا ذکر کسی سے بھی نہ کرنے کا وعدہ کر لیا تب منیجر نے اسے بتایا۔ ” بیٹی تمہارے اکاؤنٹ میں کچھ دن کے بعد ۸۰ کروڑ ۶۳ لاکھ روپیہ آنے والا ہے۔ اتنی بڑی رقم سے جان کو خطرہ ہو سکتا ہے اس لئے پردھان یا شوہر کو بتانا کہ ۵ لاکھ روپئے تمہار گمشدہ چاچا کی وصیت کے مطابق آیا ہے “۔

اگلے ہفتے تم کو چیک بک مل جائے گی۔ ضرورت کے مطابق تھوڑا تھوڑا نکالتی رہنا “۔

سب لوگ گاؤں آ گئے ۔ دوسرے دن دونوں شفیق کے گاؤں گئے ۔ کھپریل کا کچا مکان تھا۔ شفیق نے اپنی ماں کو بتایا۔ ” اماں یہ تمہاری بہو ہے۔ “ اور بہن کو بتایا کہ یہ تمہاری بھابھی ہیں۔ ماں نے بہو کو گلے لگا لیا۔ بہن چائے بنا کر لے آئی۔ چائے پی کر فرزانہ نے اپنی ساس سے کہا۔

” اماں تم میری نند کے لئے پڑھا لکھا اچھا لڑکا تلاش کرو۔ اس کے جہیز ، کار ، زیور وغیرہ کا انتظام ہم کریں گے۔ اتنا پیسہ خرچ کروں گی کہ جتنا بلاک پرمکھ نہ خرچ کر پائے گا “۔ ایک ہفتہ کے بعد فرزانہ کے اکاؤنٹ میں رقم آ گئی اس نے بستی میں ایک بہت بڑا مکان خرید لیا۔ بیچنے والا گاؤں چھوڑ کر جا رہا تھا۔ اس کی بیس بیگھہ زمین بھی رجسٹری کرا لی۔ شفیق سے بولی مکان توڑ کر پکا مکان بنوا لو۔

گاؤں والے آپس میں کہتے ہیں کہ میں نے بہت پیسے والے گھر میں شادی کی ہے تبھی یہ کرامات دیکھنے میں آرہے ہیں۔ شفیق کی بہن کے لئے ڈاکٹر لڑکا ملا۔ گاؤں کے پردھان کو بیچ میں ڈال کر رشتہ طے ہوگیا۔

فرزانہ نے پوچھا کار کی رقم دی جائے یا کار؟۔

لڑکے کا چھوٹا بھائی بولا۔ ''کار''

فرزانہ نے پوچھا۔ ''کون سی کار چاہئے''

بھائی بولا۔ ''اسکارپیو''

لڑکے کا چھوٹا بھائی ڈرائیور تھا۔ ایک ہفتہ کے بعد شفیق کی بہن کی شادی ہوگئی۔ پوری تحصیل میں اس شادی کی چرچا ہوئی۔ اتنا جہیز آج تک کسی لڑکی کو نہیں دیا گیا تھا۔ شام کو فرزانہ شفیق سے بولی۔ ''اللہ کی نرالی شان ہے ہماری نند خوش رہے۔ بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی ہے پھر وہ ماں سے بولی۔ '' اماں اب تو نندرانی بھی اپنے گھر کی ہوگئیں تم اکیلے یہاں کیا کروگی۔ چلو ہم لوگوں کے ساتھ۔ وہاں ہم تمہاری دیکھ بھال اچھی طرح سے کریں گے ''۔ ماں بولی۔ '' بیٹی جو تم نے کر دکھایا اس کا بیان میں الفاظ میں کیسے کروں۔ میں تو بیٹی کی شادی کے لئے بہت پریشان تھی۔ اس کی شادی اتنے شاندار طریقے سے ہوگی میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اور یہ سب ممکن ہوا صرف تمہاری وجہ سے ''۔ کچھ دن بعد وہ لوگ کانپور چلے آئے۔ شفیق سے بولی تم کسی ٹینری میں نوکری کرلو۔ مشین، کیمیکل اور سپلائی وغیرہ کی جانکاری دھیرے دھیرے سب کے ساتھ مل کر حاصل

کرلو۔ ہم لوگ سب کے گھروں پر چلیں گے دھیرے دھیرے ساری جانکاری حاصل ہو جائے گی پھر ایک ٹینری بیس لاکھ روپے میں خریدی۔ شفیق نے فرزانہ کے نام رجسٹری کرائی رجسٹری دیکھ کر فرزانہ نے پوچھا۔

''میرے نام رجسٹری کیوں'' شفیق بولا۔ ''ہم تم ایک ہیں تمہارے نام ہو یا میرے نام'' یہ سن کر فرزانہ نے شفیق سے لپٹ کر پیار کرلیا۔ فرزانہ اور شفیق کے پیار کے آنگن میں ایک ننھا مہمان بھی آ گیا۔ دونوں بہت خوش تھے۔ ایک سال کے اندر ہی شفیق کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ فرزانہ کا بیٹا ندیم چار سال کا ہو گیا اس کا انگلش کانوینٹ میں نام لکھایا گیا۔ فرزانہ ہی اسے کار سے چھوڑنے اور لینے جاتی ایک دن وہ اسے اسکول سے لانے جارہی تھی کہ سامنے سے آتے ہوئے ٹرک نے ٹکر ماردی فرزانہ کی موت ہو گئی۔ شفیق کے پاس فون آیا تو وہ بدحواس سا گھر بھاگا۔ سامنے فرزانہ کی لاش پڑی تھی وہ چیخ کر اس سے لپٹ گیا۔ ''فرزانہ تم نے تو ہر سکھ دکھ میں ساتھ نبھانے کی قسم کھائی تھی۔ دکھ میں تو تم سائے کی طرح میرے ساتھ رہیں۔ اب سکھ کے دن آئے تھے تو تم مجھے چھوڑ کر چلی گئیں۔ ننھے ندیم کو اب کون سنبھالے گا''۔ محلہ والون نے اسے پکڑ کر دلاسہ دیا اور مٹی کا انتظام کیا۔

شفیق نے ماں اور باپ دونوں کا پیار بچے کو دیا دنیا بھر کی خوشی بچے پر نچھاور کرتا لیکن وہ خود جیسے اندر ہی اندر ٹوٹ چکا تھا۔ روزآنہ فرزانہ کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھتا اور اس کے گالوں پر آنسو بہتے رہتے۔ دھیرے دھیرے ۲۲ سال

گزر گئے۔ شفیق نے ندیم کی شادی طے کر دی۔ اور فرزانہ کو بتانے اس کی قبر پر پہونچ گیا۔

" فرزانہ! آج تمہارے لاڈلے بیٹے کی شادی ہے۔ بہو بہت خوبصورت ہے تمہارے بیٹے کو پسند ہے۔ فرزانہ میں نے کئی بار تمہارے پاس آنے کی کوشش کی مگر تمہارے لڑکے کی معصوم آواز نے ہمیشہ میرے قدم روک لئے۔ اسی کے سہارے میں نے ساری زندگی کاٹ دی۔ کیونکہ اس میں مجھے تمہارا عکس نظر آتا ہے "۔ لوگوں نے مجھ سے دوسری شادی کے لئے بہت دباؤ بنایا مگر میں تمہاری جگہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ تمہاری نشانی میرے سامنے ہے۔ اور وہی میرے جینے کا مقصد ہے "۔

اور پھر بجھے دل سے بوجھل قدموں سے وہ قبرستان سے نکل کر گھر کی طرف چل پڑا۔

جو غلط راستوں کے راہی کو
منزلوں کا پتہ بتاتے ہیں
اُن کو ملتی ہے عزت اے فیروز
جو ہر اک کو گلے لگاتے ہیں

☆☆☆

صبر کا پھل

ریحانہ تیار ہو کر ڈی اے کالج کے لئے نکل پڑی۔ اس کا ایم ایس سی کا آخری سال تھا۔ گیٹ پر ہی فرید مل گیا۔ وہ اس کا کلاس فیلو تھا۔ دونوں ساتھ ساتھ باتیں کرتے ہوئے کلاس روم تک پہونچ گئے۔

ریحانہ کے ساتھ بہت سے لڑکے لڑکیاں پڑھتے تھے مگر وہ فرید کو زیادہ اہمیت دیتی تھی۔ دونوں ساتھ ساتھ کینٹین میں چائے پیتے، کبھی کبھار اس کے ساتھ موتی جھیل یا گنگا بیراج گھومنے چلی جاتی۔ ان کے بیچ اچھی دوستی تھی مگر محبت کا اظہار دونوں میں سے کسی نے نہیں کیا جب کہ وہ دونوں دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور یہ پسند محبت کی حد میں شامل ہو چکی تھی۔ فرید اکثر ریحانہ کے گھر بھی چلا جاتا۔ ریحانہ اسے چائے پلاتی لیکن ریحانہ کے گھر والے فرید کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔

ریحانہ اپنی تین بہنوں میں سب سے بڑی تھی۔ اس کی چھوٹی بہن کی شادی دو سال پہلے ہو گئی تھی۔ وہ اکثر دل ہی دل میں سوچتی۔ "آج کل کے زمانے میں رنگ روپ کا کتنا اثر ہے۔ میں سانولی ہوں اس لئے لڑکے والے مجھے پسند نہیں کرتے میری بہن مجھ سے کم پڑھی لکھی ہے لیکن گورے رنگ کی وجہ سے اس کا رشتہ طے ہو گیا اور شادی بھی ہو گئی اب جو بھی لڑکے والے آتے ہیں وہ سوال کرتے ہیں کہ بڑی بہن میں کیا کمی تھی جو چھوٹی بہن کی شادی پہلے ہو گئی۔ والدین بہانہ بنانے

کہ ریحانہ ایم ایس سی پورا کرنا چاہتی تھی اس لئے اچھا رشتہ سمجھ کر ہم نے چھوٹی بہن کی شادی کردی۔

ریحانہ کو کئی لوگ دیکھنے آئے مگر واپس نہ لوٹے اس سے ریحانہ کے دل پر بہت چوٹ پہونچتی مگر وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔

امتحان ختم ہو گئے۔ فرید نے اظہار محبت کا خط ریحانہ کو لکھا۔ اور اس سے شادی کر کے اسے ہمیشہ خوشی دینے کا وعدہ بھی اسی خط میں کیا اور ریحانہ کی مرضی بھی جاننی چاہی تا کہ گھر والوں کو رشتہ لے کر اس کے گھر بھیج سکے۔

وہ خط لے کر ریحانہ کے گھر گیا مگر خط دیتے ریحانہ کے بھائی نے دیکھ لیا۔ بھائی نے کمرے میں داخل ہو کر خط چھین لیا۔ شام کو ریحانہ کے والد کے ہاتھ میں خط دے کر اس کا بھائی بولا۔

" دیکھو اپنی بیٹی کے کرتوت۔ ہماری عزت نیلام کرنے کا من بنالیا ہے اس نے۔ اس لئے میں آگے پڑھانے کے خلاف تھا۔ مگر آپ ہی کو اپنی لاڈلی پر بڑا بھروسہ تھا۔ اب دیکھ لیا انجام "۔

ریحانہ کے ابا اپنی بیوی پر برس پڑے۔ " تم دن بھر گھر پر رہتی ہو پھر اس نالائق لڑکے کو منع کیوں نہیں کرتیں۔ اگر دوبارہ یہ لڑکا اس گھر میں نظر آ گیا تو اس کے ہاتھ پیر توڑ کر پولیس کے حوالے کر دیں گے "۔

ریحانہ سہم گئی۔ ایک ہفتہ بعد فرید آیا تو اس سے بے رخی سے بات کر کے دروازہ بند کر کے بولی۔ " آئندہ میرے گھر کبھی نہ آنا "۔

ایم ایس سی کا رزلٹ آیا ریحانہ سیکنڈ ڈویزن میں پاس ہوئی اس نے بی ایڈ

میں داخلہ لے لیا۔ فرید سے کئی بار سامنا ہوا مگر نہ ریحانہ مخاطب ہوئی اور نہ ہی فرید نے بولنا چاہا۔

چند ماہ بعد ریحانہ کی سب سے چھوٹی بہن کا رشتہ بھی طے ہو گیا۔

ریحانہ سوچنے لگی۔ ''شاید اوپر والے نے میرے لئے ہمسفر بنایا ہی نہیں ہے۔ زندگی کا راستہ مجھے اکیلے ہی طے کرنا ہوگا۔ لیکن میں اپنے خاندان پر دھبہ نہ لگاؤں گی اور پاک دامن رہ کر زندگی گزاروں گی''۔

بہن کی بارات آئی۔ اور دھوم دھام سے رخصتی ہوگئی۔ رات کے وقت ایک رشتہ دار عورت نے طعنہ مارا۔ ''رنگ سانولا نہ ہوتا تو ریحانہ بھی اپنے گھر کی ہوتی مگر رنگ کی وجہ سے اسے کوئی پسند ہی نہیں کرتا۔ بیچاری کی زندگی کیسے کٹے گی''۔

ان الفاظ نے ریحانہ کے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا۔ وہ اپنے کمرے میں جا کر تکیہ میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ آج اسے فرید بہت یاد آرہا تھا۔ لیکن پھر اس نے آنسو پونچھے اور سوچا اب فرید کو یاد کرنے سے کیا حاصل۔ میں نے دھتکار دیا تھا۔ اب تک تو اس کی شادی بھی ہو چکی ہوگی۔

وقت گزرتا رہا۔ ریحانہ نے بی ایڈ کر لیا۔ اس کے گھر میں متاع آخرت اخبار آتا تھا جسے گھر کے سبھی لوگ بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔ ایک دن اخبار پڑھتے ہوئے ریحانہ کی نظر ویکنسی پر پڑی۔ بریلی میں نگر نگم جونیئر ہائی اسکول میں سائنس ٹیچر کی جگہ خالی تھی ریحانہ نے بنا گھر والوں سے مشورہ کئے فارم بھر دیا ایک مہینہ بعد انٹرویو کے لئے بلاوا آیا۔ ریحانہ نے گھر میں سب کو بتایا کہ وہ صبح والی ٹرین سے بریلی جارہی ہے۔

بھائی غصہ سے آگ بگولہ ہوگیا۔ بولا۔ ''دیکھا ابو اب یہ کانپور چھوڑ کر بریلی میں نوکری کرے گی خاندان کی عزت مٹی میں مل جائے گی۔ ہم لوگ سماج میں منہ دکھانے لائق نہ رہیں گے''۔

ریحانہ بولی۔ ''جوان بہن گھر میں بیٹھی ہے دو چھوٹی بہنوں کی شادی ہوگئی۔ سماج والے محلہ والے خاندان والے کبھی یہ پوچھنے آئے کہ باپ بھائی کے رہتے بڑی بہن کیوں کنواری بیٹھی ہے۔ جب کہ میں سب بہنوں سے زیادہ پڑھی لکھی اور سلیقہ مند ہوں۔ تم سب میرے لئے اندھا، لولا، لنگڑا، جاہل، اپاہج لڑکا ہی ڈھونڈ کر لاتے۔ میں انکار کرتی تب کہتے کہ میری بات کیوں نہیں مان رہی۔ فرید مجھے چاہتا تھا لیکن تم لوگوں کی وجہ سے اس کو بھی میں نے دور کر دیا''۔

صبح کی ٹرین سے ریحانہ بریلی چلی گئی۔ کالج سے انٹرویو دے کر نکل رہی تھی۔ اسی وقت فرید سے سامنا ہوگیا۔ ریحانہ نے آواز دی۔ ''فرید''۔ فرید اس کی آواز پر رک گیا۔ ریحانہ اس کے پاس پہونچی اور سلام کر کے بولی۔ ''تم مجھ سے ناراض ہو۔ اور ہونا بھی چاہئے میں نے وہ قدم اپنے والدین کی مرضی سے ان کی رضا کی خاطر اٹھایا تھا۔ اب میں بریلی میں ہوں یہاں میری مرضی شامل ہے اس لئے میں نے تم کو آواز دی۔ اچھا پرانی باتیں چھوڑو۔ تم اپنے بارے میں بتاؤ زندگی کیسی گذر رہی ہے۔ کتنے بچے ہیں؟''۔

فرید بولا۔ ''میں نے شادی نہیں کی۔ بریلی میں مجھے انٹر کالج میں پڑھانے کی نوکری مل گئی ہے میری ماں میرے ساتھ رہتی ہیں۔ ماں نے شادی کے لئے بہت زور لگایا مگر نجانے کیوں مجھے شادی کے نام سے الجھن ہوتی ہے۔ بس

یوں سمجھ لو کہ میرے ہاتھوں میں قدرت نے شادی کی لائن بنائی ہی نہیں تو پھر شادی کیسے ہو؟ تم اپنے بارے میں کچھ بتاؤ، بریلی میں کیا کررہی ہو؟ ''۔ ریحانہ بولی۔ '' میں جونیئر گرلس اسکول میں انٹرویو دینے آئی ہوں۔ میری چھوٹی بہنوں کی شادی ہو چکی ہے۔ لیکن میں ابھی تک غیر شادی ہوں ''۔

فرید کے چہرے پر عجب سے چمک ابھر آئی وہ بولا۔

'' چلو تمہیں اپنی ماں سے ملواتا ہوں ''۔

ریحانہ بلا جھجک فرید کے ساتھ چلنے لگی۔ ریحانہ کے دل نے بھی سنہرے خواب۔کے تانے بانے بننے شروع کردیئے تھے۔

فرید گھر میں داخل ہو کر بولا۔'' امی! یہ ریحانہ ہیں۔ میری کلاس فیلو ہیں۔ انٹرویو دینے آئی تھیں مجھ سے ملاقات ہوگئی، سوچا آپ سے بھی ملوادوں ''۔

ماں چائے بنا کر لے آئی پھر ریحانہ سے بولی۔ '' بیٹی تم ہی فرید کو سمجھاؤ۔ شادی ایک فریضہ ہے۔ یہ کہیں شادی کرلے تو میری تنہائی بھی دور ہو جائے میں اتنے بڑے مکان میں دن بھر اکیلے ہی رہتی ہوں ''۔

ریحانہ بولی۔'' فرید میری ٹرین کا وقت ہو رہا ہے اب ہمیں چلنا چاہیے ''۔ ماں کو سلام کر کے وہ باہر آ گئی۔ دونوں نے اسٹیشن کا رکشہ کیا۔ آج فرید کے ساتھ بیٹھ کر ریحانہ کو بہت سکون حاصل ہوا اور سوچ رہی تھی کاش یہ سفر کبھی ختم نہ ہو۔

دونوں اسٹیشن پہونچ گئے۔ ٹکٹ لے کر ٹرین کے انتظار میں دونون بنچ پر بیٹھ گئے۔ ریحانہ بولی۔ '' میں گھر والوں کی مرضی کے خلاف بریلی آئی ہوں۔ اب والدین کی مرضی کو درکنار کردیا ہے مجھے اپنی زندگی اپنے ڈھنگ سے جینے کا پورا

حق ہے ''۔ اور پھر فرید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی فرید تم مجھ سے شادی کرلو۔ پورا پریوار ہوتے ہوئے بھی بالکل تنہا اور افسردہ ہوں۔ تم سے مل کر امید کی کرن نظر آئی ہے۔ اس کرن سے میری اداس زندگی میں اجالا بھر دو ''۔

فرید مسکراتے ہوئے بولا۔ '' تم میری تھیں، میری ہو، کانپور کا ٹکٹ واپس کردو چلو گھر واپس چلیں ''۔

ریحانہ بولی۔ '' میں کانپور جا رہی ہوں، اگلے ہفتہ منگل کو بریلی واپس آؤں گی ''۔ گھر پہونچ کر ریحانہ نے ماں کو فرید کے بارے میں بتایا ماں تو تیار ہوگئی مگر اس کے والد اور بھائی پوچھنے لگے۔ '' فرید کا کس خاندان سے تعلق ہے، ہم لوگ سید ہیں۔ اور اس کے علاوہ ہم کہیں اور شادی نہیں کرتے ہیں۔ فرید اگر سید نہیں ہے اور صدیقی ہے تو بھی ہم منظور کرلیں گے باقی کسی ذات سے رشتہ ہرگز نہ جوڑیں گے ''۔

ریحانہ بولی۔ '' فرید پٹھان ہے ''۔

ریحانہ کا بھائی بولا۔ '' یہ رشتہ ہمیں منظور نہیں کسی قیمت پر یہ شادی نہیں ہوسکتی۔ ہمیں اپنے خاندان پر داغ نہیں لگوانا ہے ''۔

ریحانہ بولی۔ '' ماں جب آٹے میں پانی پڑ جاتا ہے تو اسے وقت رہتے توے پر ڈال کر روٹی نہ پکائی جائے تو وہ آٹا خمیر ہو جاتا ہے اور پھر اسے انسان تو کیا جانور بھی منہ نہیں لگاتا ہے۔ میری عمر اتنی ہو چکی ابھی تک اس گھر کی چھوکھٹ پر داغ نہیں لگا ہے ''۔ بڑ بڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

وہ دوپہر میں اٹیچی لے کر چپ چاپ اسٹیشن پہونچ گئی اور وہاں سے بریلی

کے لئے روانہ ہوگئی۔

فرید کے گھر پہونچتے پہونچتے رات ہوگئی کال بیل دبانے پر دروازہ کھلا۔ وہ فرید کے سینے سے لپٹ گئی۔ فرید تسلی دیتا ہوا سامان اٹھا کر کمرے میں لے آیا۔ رات میں کھانا کھا کر سب لوگ سو گئے صبح ریحانہ بولی۔ ''فرید آج ہی قاضی کو بلالاؤ اور مجھ سے نکاح کرلو''۔

ایک گھنٹہ بعد فرید قاضی صاحب اور اپنے کچھ دوستوں کو لے کر گھر آگیا تھوڑی دیر میں نکاح ہوگیا پھر فرید ریحانہ کو لے کر بازار گیا جہاں شادی کا جوڑا اور کچھ ہلکا پھلکا زیور ریحانہ کی پسند سے خریدا گیا۔ شام کو ماں نے اپنے ہاتھوں سے ریحانہ کو سجا کر دولہن بنایا۔

رات میں ریحانہ نے فون کر کے گھر والوں کو بتایا۔ ''میں نے فرید سے نکاح کرلیا ہے۔ میں نے سید، شیخ، صدیقی یا پٹھان دیکھ کر شادی نہیں کی ہے۔ ایک سمجھدار پیار کرنے والے شخص سے شادی کی ہے اور میں سمجھتی ہوں زندگی کو زندگی کی طرح جینے کے لئے ذات پات کی نہیں وفا، پیار اور وشواس کی ضرورت ہوتی ہے''۔

دقیانوسی رواج ٹوٹتے ہیں
علم جب راستہ دکھاتا ہے
منحرف جو سماج سے ہو فیروز
اُس کو عالم گلے لگاتا ہے

☆☆☆

افسانہ نگار اور شاعر کا ضمیر

امتیاز کی پیدائش ضلع ہاوڑا کے ایک چھوٹے سے گاؤں للوا میں ایک کسان کے گھر ہوئی۔ پڑھائی کی طرف اس کے رجحان کو دیکھتے ہوئے اس کے باپ نے پردھان کی مدد سے اسے بی اے تک پڑھا کر کلکتہ کے پوسٹ گریجویٹ کالج میں اس کا داخلہ کروادیا۔ بچپن سے ہی امتیاز کو اردو ادب سے لگاؤ تھا۔ وہ اکثر اپنے افسانے اور غزلیں رسالوں اور اخباروں میں چھپواتا رہا۔ مشاعروں میں بھی شرکت کرتا رہتا۔ دھیرے دھیرے اس کا شمار اچھے شاعروں میں ہونے لگا۔ وکٹوریہ ہاؤس میں کلکتہ کے ایم پی کی طرف سے ایک آل انڈیا مشاعرہ منعقد کیا گیا اس میں سارے ملک سے شاعروں نے شرکت کی۔ مقامی شاعروں کے ساتھ امتیاز بھی اس میں شامل ہوئے۔ امتیاز نے پہلے ملک کی تعریف میں نظم پڑھی پھر ایک غزل سنائی۔ ایم پی صاحب کے اصرار پر پھر ایک غزل اس نے پڑھی۔ ساری محفل جھوم اٹھی۔ مشاعرہ بہت کامیاب رہا۔ سب ہی لوگوں نے امتیاز کی دل کھول کر تعریف کی۔ خدا نے امتیاز کو رنگ روپ پرسنالٹی کے ساتھ ساتھ دلکش آواز بھی عطا کی تھی۔ جو سننے والوں کے سیدھے دل سے ٹکراتی تھی۔ اور انسان عش عش کر اٹھتا تھا۔ مشاعروں میں نور جہاں بائی بھی موجود تھی۔ امتیاز کی غزلوں سے وہ بہت متاثر ہوئی اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ امتیاز سے غزلیں لکھوالوں

تاکہ مجرا کامیاب رہے اس نے امتیاز کو گھر بلوانے کا فیصلہ کیا۔ امتیاز کے ایک دوست کے ذریعے اسے بلوا بھیجا۔ ایک دن امتیاز اپنے دوست کے ساتھ نور جہاں کے گھر پہونچ گئے۔ نور جہاں نے اس سے ایک غزل لکھنے کی فرمائش کی۔ امتیاز نے کہا۔ ”میرے دوست مجھے یہاں لائے ہیں۔ میں ابھی غزل لکھے دیتا ہوں“۔ نور جہاں بولی۔ ” میں آپ کو منہ مانگی رقم دوں گی “۔ امتیاز اسی وقت کھڑے ہوئے اور بولے۔ ” محترمہ معاف کیجئے گا۔ میں اپنے دوست کی دوستی کی خاطر غزل لکھنے کو تیار تھا۔ لیکن آپ نے معاوضہ کی پیش کش کی ہے۔ تو آپ جان لیں کہ ہم بکنے والے لوگوں میں نہیں ہیں “۔ اسی وقت نور بانو نام کی لڑکی چائے اور ناشتہ کی ٹرے لے کر کمرے میں داخل ہوئی نور جہاں نے امتیاز سے چائے پینے کے لئے اصرار کیا مگر امتیاز نے کہا۔” میں چائے نہیں پیتا ہوں“۔ اسی وقت امتیاز کے دوست کھنہ نے بتایا۔” امتیاز تم جو غزل لکھو گے اسے نور بانو گائیں گی“۔ امتیاز نے نور بانو کو غور سے دیکھا وہ ایک کمسن، نازک اور بے انتہا خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کے حسن سے متاثر ہو کر امتیاز غزل لکھنے لگے۔ نور بانو نے اصرار کیا۔” آپ چائے پی لیں “۔ امتیاز نے لکھتے لکھتے جواب دیا۔” میں چائے نہیں پیتا“۔ تھوڑی دیر میں غزل تیار ہو گئی۔ کھنہ نے کہا۔ ”امتیاز تم اس کا ترنم سیٹ کرادو “۔ امیتاز بولے۔ ”میرے ٹیوشن کا وقت ہو رہا ہے۔ پھر موقع ملے گا تو دیکھا جائے گا۔ جب تک نور بانو اس کو یاد کر لیں“۔ اور پھر دونوں کمرے سے باہر آ گئے۔ نور بانو کو نور جہاں فیض آباد سے لے کر آئی تھی۔ نور بانو کی ماں سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی

پڑھائی پوری ہوتے ہی کسی اچھے لڑکے سے اس کی شادی کردیں گے۔ دن گزرتے رہے نور بانو نے پندرہویں سال کی دہلیز پر قدم رکھا۔ لوگ گانا سننے آتے تو نوٹوں کی بارش ہوتی۔ کچھ شراب پی کر بھی آتے اور بہکی بہکی فحش باتیں کرتے۔ نور بانو ناک میں سونے کی نتھ پہنے رہتی جس میں چھوٹا سا ہیرے کا نگ جڑا ہوا تھا۔ ایک دن نور بانو نے نور جہاں کی بیٹی نادرہ سے پوچھا۔ ''خالہ مجھے روزآنہ صبح نتھ پہنادیتی ہیں لیکن تم تو نتھ نہیں پہنتی ہو'' نادرہ بولی۔ ''میری ماں نے ایک سیٹھ سے پندرہ ہزار روپے لئے تھے اور مجھے ایک کمرہ میں دولہن بنا کر بٹھادیا تھا۔ اور مجھ سے سختی سے بولیں نادرہ آج تمہاری نتھ اترائی ہے۔ کمرے میں جو شخص آئے گا اس نے منہ مانگی رقم دے دی ہے۔ وہ تمہارے ساتھ جس طرح بھی پیش آئے اسے برداشت کرنا اور اپنی زبان بند رکھنا۔ وہ تمہارے سارے زیورات کے ساتھ تمہاری نتھ بھی اتارے گا۔ کمرے کی لائٹ وہ بند کرے یا نہ کرے اس کی مرضی ہے۔ تم کو بس اس کے کہنے پر چلنا ہے پھر وہ تمہارے ساتھ سوجائے گا۔ تم کو دن تک اسی کے ساتھ سونا ہے''۔ نادرہ نے کہا تھا۔ ''ممی میرا نکاح کردو۔ تب ممی نے سمجھایا کہ کوٹھے والی لڑکیوں کے نکاح نہیں ہوا کرتے ہیں۔ ہماری دنیا ایک دم الگ ہوا کرتی ہے۔ اس میں لوگ آتے تو ہیں مگر اپناتے نہیں۔ اگر کوئی ہمت کرکے نکاح کر بھی لے تو سماج والے تمہیں جینے نہیں دیتے اور یا تو پھر وہی شخص اپنی ہوس کو پوری کرکے کسی دوسرے کے ہاتھوں بیچ دے گا۔ اور پھر سے اسے کوٹھے پر آنا پڑتا ہے جہاں نائیکہ دو وقت کی روٹی اور بدن کے کپڑوں کے عوض میں تمہارے

پاس گاہک بھیجتی رہے گی۔ سارے دن میں اگر دس گاہک بھی آجائیں تو برداشت کرنا پڑے گا۔ وہاں لڑکی کی مرضی کا کچھ دخل نہیں ہوتا۔ اور ہزاروں بیماریاں اسے جکڑ لیتی ہیں جو وہ سماج کو تحفہ کے طور پر دیتی رہتی ہے۔ بیٹی میں نے اپنی نانی سے سب کہانیاں سنی ہیں اور اپنی ماں کو بھی اسی رنگ میں رنگتے دیکھا ہے۔ ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی کا نکاح ہو اس کا اپنا گھر ہو جہاں اس کے بچوں کی ولدیت چلے۔ مگر ایسا کبھی ہو نہیں سکتا اس لئے اس بارے میں سوچنا بھی فضول ہے۔ اور پھر میری ماں نے مجھے دوزخ کے کمرے میں بٹھا دیا۔ ہر رات شوہر نئے انداز میں مجھے ملتا ہے کہتے کہتے نادرہ کے لہجہ میں ایک درد ایک حسرت ابھر آئی۔ نور بانو بہت غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی بولی۔ ''نادرہ یہ جو تمہارا بیٹا ہے اس کی ولدیت کیا رہے گی''۔ نادرہ بولی۔ ''جب اس کا نام اسکول میں لکھائیں گے تو جو بھی نام ذہن میں آئے گا وہی لکھا دیں گے اور وہی اس کی ولدیت ہو جائے گی''۔ نادرہ کی باتیں سن کر نور بانو کو اپنے ماحول سے الجھن ہونے لگی ایک دن وہ نور جہاں سے بولی۔ ''خالہ! امی کی بہت یاد آ رہی ہے چلو ممی سے مل آئیں''۔ نور جہاں بولی۔ ''ہاں ہاں وقت کافی گزر گیا تمہاری ممی سے ملاقات ہوئے۔ ایک دن کھنہ امتیاز کو نور جہاں کے گھر لے آیا۔ نور جہاں گھر پر نہیں تھی۔ کھنہ نے کہا۔ ''تم نور بانو کو ترنم سیٹ کراؤ میں ابھی آتا ہوں''۔ تنہائی میں نور بانو نے امتیاز سے پوچھا۔ ''آپ کے کتنے بچے ہیں''۔ امتیاز بولا۔ ''ابھی میری شادی نہیں ہوئی ہے۔ بڑی مشکل سے بینک میں کلرک کی جگہ ملی ہے''۔ نور بانو

اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ ’’ تم مجھ سے شادی کرلو، مجھے اس جہنم سے نکالو‘‘ امتیاز بولا ۔’’ میں تمہاری خالہ سے بات کروں گا ‘‘۔ نور بانو نے کہا۔ ’’خالہ نے اپنی بیٹی کو دوزخ میں ڈال دیا ہے وہ روتی رہی مگر خالہ نے پندرہ ہزار روپیہ لے کر اس کی نتھ اترائی کی رسم ادا کردی۔ اب تک اس کے کئی شوہر بدل چکے ہیں پھر وہ میرا نکاح کرنے کو کیسے راضی ہوگی۔ تم مجھے یہاں سے نکال لو ‘‘۔ امتیاز نے کہا کہ۔ ’’ ہم شاعر افسانہ نگار، علماء، پنڈت، جج، ایم ایل اے، ایم پی، صحافی، عوام کی رہبری فلاح اور بھلائی کے لئے ہوتے ہیں۔ ہماری زبان یا ہمارے قلم سے نکلا ہر لفظ عوام کی خدمت کے لئے ہوتا ہے۔ ہم تم کو بھگا کر لے جائیں گے تو اخبار، ٹی وی کے ذریعہ عوام کے ذہن میں کیا بات آئے گی۔ نہیں نہیں میں یہ قدم نہیں اٹھا سکتا ‘‘۔ نور بانو بولی۔ ’’ تمہاری شرافت میرے دل پر اثر انداز ہو چکی ہے۔ تم خالہ کو کچھ پیسے دے کر میری نتھ اترائی کی رسم ادا کردو۔ ہم انھیں لمحوں کے سہارے ساری زندگی گزار لیں گے‘‘۔ امتیاز نے کہا۔ ’’ ہم تم کو کچھ دنوں کے لئے حاصل کر کے ہمیشہ کے لئے گنوانا نہیں چاہتے۔ اور نہ ہی میرا ضمیر اس غلط کام کے لئے مجھے اجازت دے گا بس تم تھوڑا صبر کرو ‘‘۔ اسی وقت نور جہاں کمرے میں داخل ہوئی اور بولی۔ ’’ شاعر صاحب آپ نے یہ خوبصورت غزل لکھی تھی۔ میری بیٹی نادرہ کو اس غزل کے عوض میں اچھی رقم ملی ہے۔ اب آپ ایک اور پھڑکتی ہوئی غزل لکھ دیں‘‘۔ امتیاز وعدہ کر کے کمرے کے باہر آگیا۔ دن گزرتے رہے۔ سوسائٹی پکچر ہال میں دلیپ کمار کی فلم ’’دل دیا درد لیا‘‘ لگی ہوئی تھی۔ جسے لوگ بہت

پسند کر رہے تھے۔ امتیاز ایک دن نور جہاں کے گھر گئے ہوئے تھے کہ نور بانو نے فلم دیکھنے کی دعوت دے دی۔ نور جہاں نے کہا۔ ”ہاں شاعر صاحب آپ نور بانو اور بوا کے ساتھ جا کر فلم دیکھ آیئے، پکچر کی بہت تعریف ہو رہی ہے نور بانو کے اصرار پر امتیاز جانے کو تیار ہو گئے تینوں لوگ سوسائٹی ٹاکیز پہونچ گئے۔ ٹاکیز کے سامنے فوٹو گرافی کی دوکان تھی۔ نور بانو زبردستی امیتاز کا ہاتھ پکڑ کر فوٹو گرافر کی دوکان میں داخل ہو گئی۔ بوا کو اس نے باہر ہی بٹھا دیا۔ امتیاز اور نور بانو نے کئی پوز میں تصویریں کھنچوائیں۔ کچھ اسٹائل پر امتیاز کو اعتراض بھی ہوا مگر فوٹو گرافر نے فوٹو لے لئے۔ امتیاز نے سو روپیہ ایڈوانس دے کر رسید لے لی جس کو نور بانو نے اپنے پرس میں رکھ لیا۔ پکچر دیکھ کر نور بانو اور بوا کو نور جہاں کے گھر چھوڑ کر اور ان سے غزل لکھنے کا وعدہ کر کے امتیاز چلے گئے۔ وقت گزرتا رہا۔ نور جہاں نے نور بانو کی نتھ اترائی کی رسم کے لئے ایک سیٹھ سے بیس ہزار روپئے لے لئے۔ اور نور بانو کو دولہن کی طرح سجا کر کمرے میں بٹھا دیا اور اسے آنے والوں لمحوں کے لئے باریکی سے سمجھایا پھر اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر وہ کمرے سے باہر آ گئی۔ سیٹھ سے پندرہ دن کے لئے سودا ہوا تھا۔ روزآنہ وہ کمرے میں آ جاتا۔ نور بانو کو تیار کر کے کمرے میں بھیج دیا جاتا۔ وہ بے بس پنچھی کی طرح پھڑپھڑاتی رہتی مگر شکاری کے پنجوں سے نکل پانا ناممکن تھا۔ اور وہ ہر رات کرب کے سیلاب سے گزرتی رہی۔

ایک دن امتیاز غزل لکھ کر نور جہاں کے گھر آئے۔ کمرے میں نور جہاں کے ساتھ ساتھ نور بانو اور نادرہ بھی موجود تھیں۔ نور جہاں نے کہا۔ ”شاعر صاحب میری

بیٹی نور بانو کی نتھ اترائی کی رسم پوری ہوگئی ہے اب آپ کی لکھی ہوئی غزل خود نور بانو ہی پڑھے گی۔ امتیاز کے دل پر دھکا لگا لیکن وہ اپنے اصولوں سے مجبور تھا۔ نور بانو کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ کچھ دیر بعد امتیاز بوجھل قدموں کے ساتھ واپس چلا گیا۔ جسم کی چوٹ تو وقت کے ساتھ ساتھ بھر جاتی ہے لیکن دل کے زخم کو تو قبر کی مٹی ہی پُر کر سکتی ہے۔ امتیاز کی غزلوں میں درد نے نکھار بھر دیا تھا۔ امتیاز کی غزلیں بہت پسند کی جانے لگیں ہر مشاعرہ، ٹی وی پروگرام میں امتیاز ہی کی غزلوں کا چرچا ہوتا۔ اس کا نام سارے ملک میں مشہور ہو گیا۔ یہاں تک کہ راشٹر پتی نے اسے پدم شری سے نوازا۔ امتیاز کے چہرے پر چمک تھی مگر اندر سے اس کا دل رو رہا تھا نور بانو کی چاہت نے اس کے دل میں جگہ بنالی تھی مگر وہ اپنے اصولوں سے سمجھوتہ نہ کر سکا وہ نور بانو کی نظروں سے دور تھا مگر اس کے دل میں نور بانو کی تصویر ہمیشہ کے لئے بس چکی تھی۔ ایک دن ایک ٹی وی چینل پر اس کا انٹرویو آرہا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر نور بانو کا نام لے کر سلام کیا اور بولا۔ ” اگر تم ٹی وی دیکھ رہی ہو تو تمہیں میرا سلام۔ نور بانو ہم اب بھی تمہاری چاہت میں ڈوبے ہیں اور اسی چاہت میں زندگی گزار دیں گے اور میری وصیت ہے کہ میری موت کے بعد میری لاش ایک ہفتہ تک دھرم تلہ کے میدان میں رکھی جائے تا کہ اخبار یا ٹی وی کے ذریعہ جب تم کو میری موت کا علم ہو تو تم مجھے دیکھ سکو۔ اور قبر میں جانے سے پہلے میں تمہارا دیدار کر سکوں۔ میری اخبار والوں اور ٹی وی والوں سے گزارش ہے کہ وہ میری نور بانو کو مجھ تک پہونچنے کا وقت دیں۔ ہم نے ایک ساتھ کچھ فوٹو کھنچوائے تھے شاید وہ

انھیں تصویروں کو دیکھ کر سکون کے کچھ پل حاصل کرتی ہوگی اس کا جسم تو کئی لوگوں کے حوالہ ہو چکا ہوگا مگر مجھے پورا یقین ہے کہ اس کے ذہن اور دل میں میرے سوا کوئی اور نہ داخل ہوا ہوگا۔ دن گزرتے رہے۔ امتیاز کو ہارٹ اٹیک پڑا۔ اس کو چترنجن اسپتال میں بھرتی کیا گیا جہاں ڈاکٹروں نے اس کو مردہ قرار دیا۔ کلکتہ کے سبھی اخبار والوں نے امتیاز کا چہرہ نمایاں طور پر شائع کیا ٹی وی پر بھی اس کا چہرہ دکھا کر اعلان ہوا گورنمنٹ نے اعلان کیا کہ ایک ہفتہ تک امتیاز کی لاش آخری دیدار کے لئے دھرم تلہ کے میدان میں رکھی جائے گی۔ دو ٹرک پولیس والوں کو میدان میں لاش کی حفاظت اور ٹریفک کے کنٹرول کے لئے رکھا گیا۔ نور بانو کو ٹی وی اور اخبار کے ذریعہ اطلاع ملی اس نے فوراً امتیاز کے فوٹو لئے اور دھرم تلہ کے میدان کی طرف چل پڑی۔ پولیس والے کسی کو لاش کے قریب جانے نہیں دے رہے تھے۔ نور بانو نے اپنے پرس سے فوٹو نکال کر پولیس والوں کو دکھائے تب وہ اسے باعزت لاش کے پاس لے کر گئے۔ نور بانو لاش کو دیکھ کر رو پڑی اور روتے روتے بولی۔

”امتیاز! تم نے اپنے اصولوں کی خاطر مجھے انسانی بھیڑیوں کے بیچ اکیلا چھوڑ دیا۔ میرے جسم کے ساتھ بہت لوگوں نے کھیلا۔ مجھے معلوم ہے تم نے میری چاہت میں کمی نہ آنے دی اور پوری زندگی میری محبت میں گزار کر موت کو گلے لگالیا۔ اب تک تو میں تمہاری آس میں زندہ تھی اب میں تمہارے بنا جی کر کیا کروں گی۔ تمہاری مزار کے بغل میں میری مزار بنے گی۔ زندہ ہو کر تو ہم مل نہ سکے اب موت کے بعد ایک دوسرے کی بغل میں آرام سے سو تو سکیں گے۔ اے خدا! میں

نے ابھی تک تجھ سے کچھ نہیں مانگا ہے۔ بس امتیاز کی بغل میں میری مزار بنادے"۔ اور وہ زور سے دہاڑ مار کر رو پڑی۔ اس کو ہارٹ اٹیک پڑ گیا اور امتیاز کا پیر پکڑتے ہوئے گر پڑی اور اس کی روح امتیاز کی روح سے جا ملی۔ جتنے لوگ موجود تھے سب اس دردناک منظر سے دہل سے گئے اور معاشرے پر لعنت ملامت کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد نور بانو اور امتیاز کی مٹی میدان سے اٹھی۔ کلکتہ کے جانے مانے لوگ اس مٹی میں شامل ہوئے۔ شام تک کلکتہ کے قبرستان میں دونوں کو دفن کر دیا گیا۔ دونوں کی قبریں بغل میں بنیں۔

عشق میں عمر جو گنواتے ہیں
اپنی تقدیر وہ بناتے ہیں
زندہ رہتا ہے نام اُن کا فیروز
جو محبت میں غم اٹھاتے ہیں

☆☆☆

محنت کا انجام

زاہد نے کانپور کے ڈی اے وی کالج میں داخلہ لیا رہنے کے لئے عیدگاہ کے پاس ایک گیراج میں جگہ مل گئی کالج کے ٹیوشن کرتا اور کھانے کے لئے ایک ہوٹل میں مستقل انتظام کرلیا تھا۔ گیراج میں ہر کمپنی کی کار بننے آتی۔ زاہد مکینک کو کام کرتے دیکھتا اور دھیرے دھیرے اس نے کار کے بارے میں باریک سے باریک چیز سیکھ لی۔ اکثر اس کے دوست کہتے۔ ''یار تم پڑھائی کے ساتھ ساتھ مکینک بھی بنتے جا رہے ہو''۔

زاہد ہنس کر جواب دیتا۔ ''اس چھوٹی سی زندگی میں بہت سارے اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ اگر پڑھائی کے ساتھ ساتھ ہنر بھی ہو تو اچھا رہتا ہے''۔

کانپور کے مشہور ٹینری مالک فرید کے بیٹے ندیم سے اس کی اچھی دوستی تھی۔ اکثر فرصت کے اوقات میں وہ ندیم کے ساتھ اس کی ٹینری چلا جاتا اور وہاں بھی ہر چیز کا بغور معائنہ کرتا۔

بی کرنے کے بعد زاہد نے انگریزی سے ایم اے کا فارم بھر دیا۔ بیچ بیچ میں وہ اپنے گاؤں بھی جاتا رہتا۔ وہ ایک کسان کا بیٹا تھا اور اپنی ضد اور محنت سے پڑھائی کر رہا تھا۔

ایم اے فائنل کے امتحان ہونے والے تھے۔

گیراج میں ایک آدمی کار بنوانے کے لئے آیا اس کے ساتھ اس کا دوست

بھی تھا جو بمبئی سے آیا تھا۔ اس کی باتوں سے زاہد بہت متاثر ہوا اور اس سے بولا۔ ''صاحب! میں انگریزی سے ایم اے کر رہا ہوں۔ آپ مجھے بمبئی میں کوئی نوکری دلوا دیں گے تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ اس شخص نے اپنا وزیٹنگ کارڈ زاہد کو تھما دیا اور بولا۔ ''تم بے فکر ہوکر بمبئی آجاؤ۔ تمہیں نوکری مل جائے گی۔''

ایم اے کرنے کے بعد گیراج والے سے کچھ روپئے ادھار لے کر زاہد بمبئی پہونچ گیا۔ کارڈ پر لکھے پتہ پر پہونچتے پہونچتے کئی گھنٹے لگ گئے۔ شام ہوگئی وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ وہ اپنا فلیٹ بیچ کر کہیں اور چلے گئے ہیں۔ زاہد بہت زیادہ پریشان ہوگیا۔ ساتھ میں لائے پیسے کرائے میں خرچ ہو چکے تھے۔ وہ تھکان اور بھوک سے نڈھال ہوکر ایک بنگلہ کے گیٹ پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد بنگلہ کا مالک کار سے اترا اور زاہد سے پوچھا۔ ''تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟'' زاہد نے اسے اپنی داستان بتائی اور بولا۔ ''صاحب ہم بہت بھوکے ہیں مجھے کچھ کام دے دیجئے''۔

مالک بولا۔ ''کیا تم بنگلہ کی صاف صفائی جھاڑو پوچھا کر سکو گے؟''۔

زاہد نے کہا۔ ''آپ مجھے کھانا کھلا دیں ہر کام کرنے کو تیار ہوں''۔ زاہد نے اپنے گاؤں اور کانپور کا ایڈریس اسے نوٹ کرا دیا اور کھانا کھا کر سو گیا۔ صبح صبح سارے بنگلے کی صفائی کی سبھی گملوں کی کاٹ چھانٹ کر کے گیروے رنگ کی مٹی سے رنگ دئی۔ مالک سو کر اٹھے تو زاہد کے کام سے بہت خوش ہوئے۔

دوسرے دن صبح صبح ڈرائیور کار اسٹارٹ کر رہا تھا مگر کار اسٹارٹ نہیں ہو رہی تھی مالک زبیر جھلاتے ہوئے بولے۔ ''پرسوں ہی مکینک کو فون کیا تھا مگر وہ ابھی تک آیا نہیں۔ وہ کار پہلے ہی سے خراب کھڑی ہے اب یہ بھی اسٹارٹ نہیں

ہو رہی ہے۔ مجھے باندرہ جانا ہے بہت ضروری ہے ''۔

زاہد پاس ہی گملوں میں پانی ڈال رہا تھا وہ فوراً مالک کے پاس آیا اور بولا۔

'' صاحب اگر اجازت ہو تو میں کار دیکھ لوں ''

زبیر نے ہاں میں اشارہ کیا۔ زاہد نے کار اسٹارٹ کی پھر بونٹ کھول کر کار بنانے میں لگ گیا۔ ڈیڑھ گھنٹہ کی محنت کے بعد کار اسٹارٹ ہوگئی۔ زبیر بہت خوش ہوئے پھر بولے۔ ''تم اتنے اچھے مکینک ہو پھر ہمارے گھر میں جھاڑو پوچھا کا کام کیوں کرتے ہو''۔

زاہد بولا۔ '' صاحب ہم پریشان حال بھوکے پیاسے تھے۔ آپ نے مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلایا آپ نے جو کام بتایا وہ میں نے بخوشی منظور کر لیا محنت اور ایمانداری سے حلال کی جو کمائی ملے اس سے انسان کو کبھی انکار نہیں کرنا چاہئے''۔

اسی وقت زبیر کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ زبیر ناراض ہونے لگے۔ '' آسٹریلیا سے فون آرہا ہے۔ عباس ابھی تک آیا نہیں ہے۔ ان کا مال بک نہیں ہوسکا اسی لئے فون آیا ہوگا مجھ کو تو انگریزی آتی نہیں اب میں کیا کروں؟''۔

زاہد نے موبائل زبیر کے ہاتھ سے لے لیا اور انگریزی میں بات کرتے ہوئے بولا۔ '' آپ کا مال ابھی تک بک نہیں ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ لیدر کے دام ۳۰ پرسنٹ بڑھ گئے ہیں۔ میٹریل مل نہیں رہا ہے۔ چونکہ آپ کا آرڈر ہے۔ مال تو مل جائے گا کیونکہ زبیر صاحب بات کے پکے ہیں ویسے ان کے پاس کناڈا اور ڈنمارک سے لگاتار فون آرہے ہیں وہ نئے ریٹ یعنی ۲۰ پرسنٹ زیادہ پر مال لینے کو تیار ہیں۔ آپ کو مال بھیج کر پھر ان کا مال سپلائی کرنا ہے''۔

آسٹریلیا کے تاجر نے کہا۔ ''میری طرف سے ۱۵ پرسنٹ بڑھے ریٹ پر آفر ہے جتنا مال بناؤ مجھے ہی سپلائی کرو''۔

زاہد بولا۔ ''یہ فیصلہ تو میرے مالک زبیر صاحب ہی کریں گے''۔ اور اس نے فون کاٹ دیا۔

زبیر صاحب کی بیوی اور بیٹی ایک پوچھا لگانے والے کی باتیں سن رہی تھیں۔ زبیر نے کہا۔

''زاہد صبح تم بنگلے کی صفائی کر رہے تھے۔ پھر کار کو ٹھیک کر دیا اور اب آسٹریلیا کے تاجر سے انگریزی میں باتیں کر رہے ہو اور منافع کے ساتھ سودا کر لیا۔ اتنی اچھی انگریزی میں بات کر کے کاروباری کو بھی مطمئن کر دیا۔ تم کو ہم سمجھ نہیں پا رہے ہیں تم تو ہر فن مولا ہو''۔

زاہد نے اسے بتایا۔ ''میں نے انگریزی میں ایم اے کیا ہے۔ میں ایک گیراج میں رہتا تھا وہاں پر کاریں بننے آتی تھیں وہیں سے کار کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ میرا ایک دوست کانپور ٹینری کا مالک ہے، اس سے تجارت اور لیدر کے بارے میں تھوڑی معلومات لیں۔ کچھ ادب کا بھی شوق ہے اس لئے افسانہ اور غزل بھی رسالوں میں بھیجا کرتا تھا''۔

کہتے ہوئے پوچھے کا ڈبہ اٹھا کر کام کرنے لگا۔

اسی وقت زبیر نے کہا۔

''زاہد یہ میرا سوٹ لے جاؤ اس کو اسی وقت پہن کر آؤ۔ اب تم میری فیکٹری کے جنرل منیجر ہو گئے ہو''۔

کچھ دیر بعد زاہد سوٹ کے ساتھ ٹائی پہنے ہوئے ہال میں داخل ہوا۔ زبیر کی ماں بولیں۔ "یہ لڑکا ہنر مند ہے ایک دن اپنا نام روشن کرے گا"۔ زاہد نے ماں کو سلام کیا اور بولا۔ "اللہ آپ کی دعا قبول کرے"۔

زبیر زاہد کو لے کر فیکٹری چلے گئے وہاں کے سبھی ورکرس کو بتایا کہ اب یہ تمہارے جنرل منیجر ہیں اور زاہد کو ایک آفس دے دیا گیا۔ زاہد نے ایک ورکر سے کہا کہ۔ "آسٹریلیا جو مال جانے والا ہے اس کا ایک پیس لے آو۔ مال دیکھ کر ٹینری کے ٹینر کو بلایا اور بتایا ہارس لیدر میں جلد ہی پھپھوندی لگنے کے آثار ہیں۔ یہ مال جب آسٹریلیا میں کھولا جائے گا تو پھپھوندی لگے مال سے ہماری فیکٹری کا نام خراب ہوگا۔

ٹینر بولا۔ "صاحب کیمکل مہنگا ہوگیا ہے اس لئے اس مال میں کچھ کم ڈالا گیا ہے"۔ زاہد نے سمجھایا۔ "دیکھو فارمولہ میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہونا چاہئے۔ زیادہ سے زیادہ پانچ روپے پیس کا فرق پڑے گا مگر مال کی کوالٹی برقرار رہے۔ آئندہ اس بات کا دھیان رکھنا۔ جو مال تیار ہو چکا ہے اس پر ہارڈ اسپرے کرادو"۔

ورکر کے جانے کے بعد زبیر بولے۔ "بیٹا ہم تمہاری ذہانت کے قائل ہوگئے ہیں واقعی تم بہت ہونہار لڑکے ہو"۔

دن گزرتے رہے۔ ایک دن زبیر کے دوست عامر بنگلے پر بیٹھے چائے پی رہے تھے دنیا جہان کی باتیں چل رہی تھیں وہ بولے۔ "زبیر میرا موڈ ایک فلم بنانے کا ہو رہا ہے۔ فلم کا کہانی کار پچاس لاکھ روپئے مانگ رہا ہے اور چار ماہ میں کہانی دینے کو کہہ رہا ہے"۔ زاہد بھی پاس میں بیٹھے تھے بولے۔ "آپ سیریس فلم بنائیں گے یا کامیڈی"۔ عامر نے کہا۔ "ہم دلیپ کمار کو لے کر سیریس فلم بنائیں گے"۔

زاہد نے کہا۔ ''میں ایک ہفتہ میں آپ کو کہانی لکھ کر دوں گا''۔ عامر نے پوچھا۔ ''پہلے بھی کبھی کسی فلم کی کہانی لکھی ہے''۔

زاہد بولے۔ ''میں آپ سے ایڈوانس رقم تو لے نہیں رہا ہوں۔ میں کہانی لکھنے کے ساتھ ساتھ فلم کے ڈائیلاگ بھی لکھ کر دوں گا''۔ آپ ڈائریکٹر اور ہیرو کو دکھا دیجئے گا''۔

زبیر بولے۔ ''ہاں زاہد ٹھیک ہی تو بول رہا ہے''۔ عامر بولے۔ ''اچھا ٹھیک ہے اگلے ہفتہ آؤں گا، بہت ہی سیریس کہانی لکھنا''۔

زاہد نے فلم کی کہانی لکھی۔ ڈائریکٹر اور ہیرو نے کہانی سُنی۔ ہیرو نے کہا۔ ''یہ کہانی مجھے دے دو۔ میں اسی وقت تیس لاکھ روپے دینے کو تیار ہوں''۔

عامر بولے۔ ''جب فلم میں بنا رہا ہوں اور آپ اس فلم کے ہیرو ہیں تو آپ کہانی کیوں خرید رہے ہیں''۔ اور عامر نے زاہد کے ہاتھوں میں دس لاکھ کا چیک تھما دیا۔ اور زاہد سے بولے کل معاہدے کے کاغذات اور باقی بیس لاکھ روپے لے کر حاضر ہوں گے''۔

سب لوگوں کے جانے کے بعد زبیر نے اپنی ماں بیوی اور بیٹی کو بلایا اور بتایا کہ زاہد نے آج ایک اور کارنامہ کر دکھایا ہے ایک فلم کی کہانی لکھنے کے عوض میں اس کو تیس لاکھ روپئے ملے ہیں۔ ماں بولیں۔

''میں پہلے ہی کہتی تھی یہ لڑکا ایک دن اپنا نام ضرور روشن کرے گا''۔

دوسرے دن زاہد نے فلم کے ڈائیلاگ لکھ کر عامر کو دے دیئے اور بولا۔

''اگر آپ فلم کے گیت لکھوانا چاہیں تو میں گیت بھی لکھ سکتا ہوں''۔

فلم بننی شروع ہوگئی۔ فلم کے گیت زاہد نے لکھے۔ وقت گزرتے دیر نہ لگی۔ فلم ریلیز ہوگئی اور پہلے ہی ہفتہ میں اس نے پچھلی ساری فلموں کے ریکارڈ توڑ دیئے۔ فلم کا ہر گانا سپر ہٹ ہوگیا۔ اب زاہد کے پاس کئی پروڈیوسر آنے لگے۔ زاہد نے کہا۔ ''فلم کی بات صرف اتوار کو کریں گے کیونکہ مجھے فیکٹری کا کام بھی دیکھنا ہے''۔

اتوار کے دن پروڈیوسروں کا تانتا لگ جاتا۔ کئی ہیروئینیں سفارش کروانے کے لئے زاہد کے پاس آئیں کہ آپ مجھے پروڈیوسر سے فلم دلوادیں۔ زاہد جواب دیتا۔ ''یہ کام پروڈیوسر کا ہے اور میں کسی کے کام میں دخل نہیں دیتا''۔

ایک کہانی اور گیت لکھ کر زاہد نے ایک پروڈیوسر کو دے دیئے۔ زبیر نے زاہد کو آسٹریلیا جانے کے لئے کہا۔ وہاں پر لیدر مرچنٹ کی میٹنگ تھی اور کچھ وہاں کی مارکیٹ کا حال بھی لینا تھا۔

زاہد نے کہا۔ ''مالک کل رات کی فلائٹ سے چلے جائیں گے''۔ ۲۰ دن تک زاہد نے سیڈلیری (گھوڑے کی زین) کے کافی آرڈر بک کر لئے اور پھر انڈیا کی فلائٹ پکڑ کر بمبئی واپس آگیا۔ ۱۱ بجے بنگلہ میں داخل ہوا وہاں کا سارا ماحول بہت بجھا بجھا اور غمگین دکھا۔ اس نے بڑی مالکن سے ماجرا پوچھا تو وہ اداس لہجے میں بولیں۔

''بیٹا میری چھوٹی بیٹی نکہت کی شادی چار سال پہلے امریکہ کے ایک انجینئر سے ہوئی تھی۔ نکہت کی ازدواجی زندگی بہت خوشگوار تھی۔ لیکن ایک ہوائی حادثہ میں داماد جی چل بسے نکہت کی دنیا اجڑ گئی۔ زبیر اپنی بہن کو گھر لے آئے ہیں۔ جوان بیٹی کو گھر میں کب تک بٹھا سکتے ہیں۔ کئی جگہ رشتہ دیکھے مگر کوئی طے نہ ہوسکا پچھلے ہفتہ ایک بہت اچھا رشتہ آیا تھا۔ انھوں نے نکہت کو دیکھ کر پسند بھی کر لیا تھا لیکن آج وہاں سے

فون آیا کہ لڑکا رشتہ سے منع کر رہا ہے۔بس اسی وجہ سے سب اداس ہیں''۔

زاہد بولا۔'' آپ پریشان نہ ہوں، نکہت کا گھر ضرور بسے گا اور اس کی خوشیاں پھر سے اسے واپس ملیں گی''۔

کئی دن گزر گئے۔اس بیچ زاہد کی نکہت سے کئی بار ملاقات ہوئی۔وہ نہایت خوبصورت اور معصوم سی لڑکی تھی۔لیکن خدا نے اسے اتنی کم عمر میں اتنا بڑا غم دے دیا تھا۔

ایک دن باتوں باتوں میں زبیر کی ماں نے زاہد سے کہا۔'' بیٹا زاہد تم میرے بیٹے ہو میری ایک بات کا بہت سوچ سمجھ کر جواب دینا۔تم نکہت سے شادی کرلو۔یہ رشتہ پوری طرح سے تمہاری مرضی پر منحصر ہوگا''۔

زبیر بولے۔''ماں تم بھی کبھی کبھی بنا سوچے کچھ بھی بول دیتی ہو۔زاہد کے آگے پیچھے کتنی ہیروئینیں چکر کاٹ رہی ہیں۔پھر ہماری بہن کہاں اس کے قابل ہے''۔

زاہد بولا۔'' مالک جو ہیروئینیں چکر کاٹ رہی ہیں انھوں نے میرا حال اور مستقبل دیکھا ہے۔آپ کے پاس میرا ماضی گزرا ہے۔مجھ پر آپ کا بہت بڑا احسان ہے۔میں آپ کے منہ سے نکلے ہر لفظ کا غلام تھا، ہوں اور رہوں گا۔مالک آپ خاموش نہ رہیں۔بس حکم کریں''۔

زبیر دبی زبان سے بولے۔''اگر ہو سکے تو ماں کی بات مان لو''۔

زاہد نے کہا۔''مجھے یہ رشتہ منظور ہے مگر نکہت کی مرضی معلوم کرنا بھی ضروری ہے''۔

پھر وہ سیدھا نکہت کے پاس پہونچا اور بولا۔'' یہ فیصلہ تمہارے اوپر منحصر

ہے۔تم اپنی مرضی سے ہاں یا نا میں جواب دے سکتی ہو"۔

نکہت مسکرائی اور بولی۔" تم جیسا نیک اور ایمان دار آدمی اگر مجھے اپنا لے تو میرے پچھلے سارے غم کچھ ہی پل میں ختم ہو جائیں گے اور میری خوش نصیبی ہوگی کہ میں زندگی کا سفر تمہارے ساتھ طے کروں گے"۔

کچھ دیر بعد زاہد نے بڑی مالکن کو نکہت کی مرضی بتا دی۔اور کہا۔"میں ایک اچھا سا فلیٹ بک کر لیتا ہوں، ایک ہفتہ میں مل جائے گا۔نکہت کی پسند کی جیولری اور ملبوسات آپ لوگ خرید لیں۔یہ تیس لاکھ روپیہ اس کام کے لئے آپ رکھ لیں"۔

زبیر بولے۔"تم ہم لوگوں کو چھوڑ کر فلیٹ میں رہو گے۔بیٹا میری زندگی اب تمہارے اوپر منحصر ہوگئی ہے۔اس لئے تم اسی بنگلہ میں رہو گے"۔

زاہد نے کہا۔"جیسی آپ کی مرضی مالک"۔

زبیر بولے۔"ارے جیجا جی، اب تو آپ میرے بہنوئی ہونے والے ہیں۔اب تو مالک کہنا چھوڑو، ارے میں تمہارا سالا ہوں۔کیا سمجھے؟

اور سب کی ملی جلی ہنسی سے بنگلہ کی خوشیاں ایک بار پھر لوٹ آئیں۔ایک ہفتہ بعد نکہت اور زاہد کا نکاح ہو گیا۔

جو ماضی کو دل سے بھلاتے نہیں ہیں
وہ ٹھوکر کسی راہ کھاتے نہیں ہیں
جو نادار رہتے ہیں علم و ادب سے
وہ فیروز توقیر پاتے نہیں ہیں

☆☆☆

''خوشی کے آنسو زمانے کی ہوا''

برکت الہ آباد کے جانے مانے رؤساء میں شمار کیے جاتے ہیں کئی فیکٹریوں کے مالک ہیں الہ آباد چوک میں بہت ہی عالیشان کوٹھی ہے برکت کے پاس سب کچھ ہوتے ہوئے گھر میں ویرانی سی ہے۔ کیونکہ برکت کی بیوی کا انتقال ایک سال قبل کینسر میں ہو چکا ہے۔ دوستوں نے مشورہ دیا کہ تم دوسری شادی کرلو۔ گھر میں جوان لڑکی ہے۔ وہ بی اے پارٹ تھرڈ میں ہے۔ برکت نے کہا کہ میں پہلے اپنی لڑکی کی شادی کرلوں پھر اپنے لئے سوچوں گا۔ رہا سوال لڑکی کی دیکھ بھال کا تو وہ کار سے کالج جاتی ہے اور کار ہی سے واپس آجاتی ہے۔ دو خادمہ مستقل طور سے موجود رہتی ہیں جن کی عمر ۶۵ سال سے زائد ہے پوری ذمہ داری ان لوگوں نے اٹھا رکھی ہے۔ اگلے ماہ میں ٹائر ٹیوب کی ربر فیکٹری شروع کررہا ہوں۔ برکت اکثر دوستوں سے کہتے کہ اگر داماد الہ آباد کا ہی مل جائے تو میں ربر فیکٹری اور روشن باغ والا مکان اس کے نام لکھ دوں گا۔ ربر فیکٹری کا مال بننا شروع ہوگیا ہے۔ کوالٹی اچھی ہونے کی وجہ سے کئی شہروں سے ایجنسی لینے والوں کی بھیڑ لگنے لگی کاروباری سلسلہ سے برکت کو جموں کشمیر جانا پڑا وہاں کئی دنوں تک رکنا پڑا۔ اسی دوران کئی جگہوں پر ایجنسیوں کا افتتاح بھی کیا۔ رخسانہ بدستور کالج جاتی رہتی اسی کلاس میں ایک لڑکا عارف عرف چاند بھی پڑھتا تھا۔ رنگ اور چہرے سے خوبصورتی کا مالک تھا۔ رخسانہ سے وہ بہت گھلا ملا رہتا تھا۔ رخسانہ چاند سے

مخاطب ہو کر بولی تم ایم اے میں داخلہ لو گے یا بی اے کرنے کے بعد پڑھائی چھوڑ کر نوکری کرو گے۔ چاند نے کہا کہ میں بہت غریب گھر کا ہوں بڑی مشکل سے بی اے کی پڑھائی بھی کر رہا ہوں۔ اگلی پڑھائی پوری نہیں کر پاؤں گا۔ تب رخسانہ بولی پھر تو ہمارا تمہارا ملنا جلنا بند ہو جائے گا۔ رخسانہ نے کہا کہ تم اپنی امی سے اپنی شادی کی بات کرو۔ ہمارے پاپا کے پاس کافی دولت ہے تم کو کوئی کاروبار کرا دیں گے یا فیکٹری کا مالک بنا دیں گے تم اپنی شادی کی بات ہمارے پاپا تک کسی معتبر شخص سے پہونچا دو۔ ارے ہاں چاند آج صبح پاپا جموں کشمیر چلے گئے ہیں وہاں ان کا کئی دنوں تک رکنے کا پروگرام ہے۔ تم شام کو میرے گھر آجانا ساتھ ساتھ پڑھائی کریں گے شام ہوتے ہوتے چاند اپنی ماں سے بولا میرا پڑھائی کا آخری سال ہے میں ایک دوست کے گھر پڑھائی ساتھ ساتھ کروں گا اور رات کو واپس گھر آجاؤں گا۔ رخسانہ کے بنگلے پر پہونچ کر دربان سے بولا تم جا کر رخسانہ سے کہہ دو چاند آئے ہیں۔ دربان نے وہیں کھڑے کھڑے رخسانہ سے فون پر بات کی۔ چاند نام کا ایک لڑکا آیا ہے۔ رخسانہ نے کہا اسے اندر آنے دو۔ تبھی گیٹ مین نے اُس کو رخسانہ کے کمرے تک پہونچا دیا۔ رخسانہ گیٹ مین سے بولی یہ میرے کلاس فیلو ہیں ہم لوگوں کا یہ آخری سال ہے ہم دونوں کمبائنڈ اسٹڈی کریں گے۔ یہ سن کر گیٹ مین واپس ہو گیا۔ چاند صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ میرے یہاں آنے سے کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ رخسانہ بولی کہ پاپا تو جموں کشمیر گئے ہیں گھر کی نوکرانی بوا کھانا کھا کر اپنے کمرے میں سو رہی ہیں تمہیں یہاں رات کو رکنا ہی کہاں ہے۔ پڑھائی کر کے تم اپنے گھر چلے جاؤ گے۔ چاند بولا کہ مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔ چاند صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ رخسانہ نے کھڑے ہو کر چاند کو اپنی بانہوں میں جکڑ لیا

اوراس کا بوسہ لے لیا۔ رخسانہ بولی یہ لو میں نے تمہارے دل سے ڈر نکال دیا۔ اب ہم تمہارے ہو گئے ہیں۔ رخسانہ اور چاند پڑھائی میں مشغول ہو گئے رات گیارہ بجے چاند رخسانہ کے گھر سے اپنے گھر واپس آ گیا۔ رخسانہ اپنے کمرے میں نائٹ بلب جلا کر بستر پر سوچنے لگی چاند بہت ہی غریب ہے مگر دل کا اچھا ہے۔ پاپا اس کے ساتھ شادی کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ پھر رخسانہ نے سوچا کہ شادی کی بات چاند کی طرف سے آئے۔ اگر پاپا انکار کر دیں گے تو ہم بھی کسی قیمت پر چاند کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم کسی دوسرے شہر جا کر نکاح کر لیں گے۔ چاند میرا ارمان ہے۔ میری چاہت ہے۔ میری زندگی ہے۔ حالات بدستور چلتے رہے وہ پڑھائی ساتھ ساتھ کرتے رہے۔ کبھی کبھار رخسانہ رومانٹک موڈ میں آجاتی تب چاند منع کرتا اور سمجھاتا رخسانہ تم بہت ہی امیر باپ کی بیٹی ہو میں بہت ہی غریب انسان ہوں ارے رخسانہ امیر لوگوں کی دیوار چھو لینا تو بہت دور کی بات ہے اس دیوار کے قریب ہونے پر دربان لاٹھی پٹک کر ڈانٹنا شروع کر دیتا ہے۔ جب پاپا کو یہ ساری داستان معلوم ہو جائے گی تب ہم تمہارا چہرہ دیکھنے کو ترس جائیں گے۔ رخسانہ بولی ہم تمہارے اتنے قریب آ گئے ہیں اور تم گھبرا رہے ہو۔ چاند بولا یہ تمہاری چاہت ہے تمہارے پاپا اتنے امیر شخص ہیں ہر چیز کو امیری کی ترازو میں رکھ کر تولیں گے ہم تمہارے مقابل کھڑے نہیں ہو سکتے تو ہماری تمہاری شادی کیسے ہو سکتی ہے۔
رخسانہ بولی چاند ہم تمہارے بنا نہیں رہ سکتے اگر پاپا اس شادی سے انکار کریں گے تو ہم کسی اور شہر میں چل کر نکاح کر لیں گے دھیرے دھیرے زندگی خوشگوار ہو جائے گی۔ رخسانہ اتنے جذبات میں آ گئی کہ چاند سے زبردستی کر کے ہم بستر ہو گئی تب بولی۔ ''چاند اب تم کو مجھ سے کوئی جدا نہیں کر سکتا''۔ برکت نے جموں کشمیر

پہونچ کر ایک ہاؤس بوٹ کرائے پر لیا کشمیر کا ماحول خوشبو اور وہاں کا حسن برکت
کے دل و دماغ پر اپنا اثر ڈال چکا تھا۔ ہاؤس بوٹ کے مالک کی ایک کشمیری لڑکی پر
برکت کا دل آ گیا۔ برکت نے پیسے کی کھنک سے لڑکی سے شادی کرلی۔ برکت
نے لڑکی کے باپ سے کہا کہ ہم ابھی اس کو الہ آباد نہیں لے جائیں گے۔ جب
میری لڑکی کی شادی ہو جائے گی تب آپ سبھی لوگ چل کر الہ آباد رہیں گے۔
گھر کا پورا خرچ ہمارے ذمہ رہے گا اس کی فکر نہ کرو۔ صبح والی گاڑی سے برکت الہ
آباد واپس آ گئے رخسانہ نے کلاس روم میں چاند سے بات کی اور بولی کہ والد
صاحب الہ آباد آ گئے ہیں تم اپنے گھر کے کسی معتبر شخص سے شادی کی بات کہلواؤ چاند
نے کہا ہم جس شخص سے کہیں گے وہی شخص میرا مذاق اڑائے گا اور ہنس کے کہے گا
مخمل میں ٹاٹ کا پیوند دیکھنے میں اچھا نہیں لگا۔ رخسانہ بولی امتحان ختم ہو جائے تب
ہم اور تم الہ آباد چھوڑ کر کسی اور شہر نکل چلیں گے۔ چاند نے کہا میرا ایک دوست
آگرہ میں رہتا ہے۔ رخسانہ فوراً بولی تم اپنے دوست سے بات کرو ہم لوگ آگرہ
چل کر وہیں نکاح کرلیں گے اور تم کو کسی کارخانہ میں نوکری مل ہی جائے گی۔
دھیرے دھیرے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ برکت کشمیر آ گئے امتحان شروع ہو گیا
رخسانہ اور چاند کمبائنڈ اسٹڈی کرنے لگے کبھی کبھار رخسانہ رومانٹک موڈ میں آ جاتی
تھی۔ امتحان ختم ہو گیا۔ چاند نے اپنے دوست ببلو جو آگرہ میں رہتا ہے ساری
بات کی معلومات کرائی ببلو نے کہا کہ تم آگرہ چلے آؤ تم کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی
چاند نے رخسانہ سے کہا ہم نے آگرہ ببلو سے بات کرلی ہے وہ ہمیں آگرہ بلا رہا ہے
رخسانہ نے کہا ٹھیک ہے۔ رخسانہ اپنے گھر سے پچاس ہزار روپئے اور زیور لے کر
چاند کے ساتھ ببلو کے یہاں آگرہ پہونچ گئی۔ رخسانہ حسن کی پری تھی ببلو کی نگاہ

غلط ہوگئی سب لوگوں کے ناشتہ کرنے کے بعد بلو نے چاند سے کہا یار تم نوکری کے لئے تیار ہوتو ہم فیکٹری میں بات کریں چاند تیار ہو گیا بلو نے اپنے ایک دوست کے ساتھ چاند کو فیکٹری بھیج دیا اور بلو نے رخسانہ کے ساتھ زبردستی غلط حرکت کر ڈالی۔ رخسانہ روتی رہی بلو کمرے سے باہر نکل آیا رخسانہ نے سوچا کہ چاند جب آئے گا تو اس سے ساری بات بتائیں گے۔ تبھی بلو کا ایک دوست کمرے میں داخل ہوا اور رخسانہ کے ساتھ اس نے بھی غلط حرکت کی۔ رخسانہ مجبور لاچار تھی کچھ دیر بعد بلو کا دوست کمرے سے باہر نکل گیا رخسانہ نے باتھ روم میں نہا کر کپڑے بدلے چاند ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا۔ رخسانہ نے موقع محل دیکھ کر اپنے کو کمرے سے باہر نکال لیا۔ تھوڑی دور چلنے پر ایک برقع والی سے بولی۔ ’’ بہن میری مدد کرو‘‘۔ رخسانہ نے اس سے پچھلے واقعات کھل کر بیان کر دیئے برقع والی رخسانہ کو لے کر اپنے ساتھ کانپور لے آئی چاند جب بلو کے گھر پہونچا تو دریافت کیا کہ رخسانہ کہاں ہے بلو نے کہا تمہارے جانے کے کچھ ہی دیر بعد رخسانہ کہیں چلی گئی اب تم چپ چاپ خون کا گھونٹ پی جاؤ۔ ورنہ پولیس تم کو اور ہم کو بھی گرفتار کر لے گی رخسانہ کانپور پہونچ کر اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتے سوچتے نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ صبح نہا دھو کر کپڑے بدلے ناشتہ کرنے کے بعد برقع والی عورت رخسانہ کے قریب آ کر بیٹھ گئی اور بولی۔ ’’ رخسانہ اب تم کو اپنے جسم کے سہارے ہی کھانا کپڑا ملے گا۔ میری بات غور سے سن لو۔ اگر تم نے چالا کی دکھائی تو اتنی مار پڑے گی کہ تم خود کو نہ پہچان پاؤ گی تم خود ہی میری بات نہ مان کر دیکھ لو۔ اب تم کانپور کے عالی شان پرائیویٹ جسم فروش کے چنگل میں ہو۔ بس دن میں چار پانچ کسٹمر تم سے ملیں گے تمہارا بھی خرچ چلتا رہے گا ساتھ میں میرا بھی خرچ چلتا رہے گا‘‘۔ رخسانہ

کر بھی کیا سکتی تھی۔ رخسانہ حالات میں گرفتار ہوگئی۔ دن گزرتے رہے تب ہی ایک لڑکا عامر نام کا رخسانہ سے ملنے آیا۔ رخسانہ نے اس سے اپنے پچھلے حالات بیان کردیئے۔ عامر نے کہا ہم کیا کرسکتے ہیں۔ رخسانہ نے کہا تم کسی بھی صورت سے مجھے یہاں سے آزاد کرادو اور عامر نے کہا کہ وقت کا انتظار کرو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ عامر نے شام کو اپنے ایک دوست جو کہ ڈی آئی جی کے یہاں پیشکار تھے اس سے ملاقات کر کے یہ واقعہ بتایا۔ رخسانہ کو وہاں سے نکالنا ہے۔

دوسرے دن پولیس فورس نے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا جس میں سات (۷) لڑکیاں اور چار (۴) آدمی گرفتار ہوئے رخسانہ کو تھانہ سے عامر اپنے ساتھ لے آیا۔ چونکہ عامر کانپور میں اکیلا رہتا تھا کمرے کے فلیٹ میں پہونچ کر فریج سے ٹھنڈا پانی رخسانہ کو دیا اور بولا۔ ’’ چلو تم کو الہ آباد تمہارے والد کے پاس پہونچا آئیں۔ رخسانہ بولی الہ آباد جا کر کیا کریں گے کوئی مجھے اب قبول نہیں کرے گا۔ رخسانہ نے کہا تمہاری بی بی کیا گاؤں میں رہتی ہے کتنے بچے ہیں۔ عامر نے کہا ہم نے ابھی شادی ہی نہیں کی۔ رخسانہ بولی میرے پرس میں کچھ پیسے ہیں تم ایک دوکان کرایہ پر لے کر ہلکا پھلکا کاروبار کرلو تم ہی نے مجھے دوزخ سے نکالا ہے تمہاری وجہ سے مجھے یہ نئی زندگی ملی ہے۔ اگر ہوسکے میری پچھلی غلطیوں کو معاف کردو اور مجھ سے تم نکاح کرلو۔ اللہ تم کو اس کا اجر دے گا۔ ہم مجبور بے سہارا ہیں ہمارا کوئی پرسان حال نہیں اگر تم نے نکاح سے انکار کیا تو ہم اپنی جان دے دیں گے ہم اتنی ذلت اٹھا چکے ہیں اب مزید ذلت نہیں اٹھانا چاہتے ہیں۔ عامر نے شام کو قاضی کو بلا کر نکاح کرلیا رخسانہ کے پیسے سے عامر نے ایک دوکان ٹائر ٹیوب کی کرلی۔ برکت جب کشمیر سے لوٹ کر آئے تو معلوم ہوا کہ رخسانہ کسی لڑکے کے

ساتھ الہ آباد چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ برکت نے اپنی بدنامی بچانے کے لئے اس بات کو دبا دیا۔ مگر ذہنی الجھن میں الجھ گئے برکت نے سوچا کہ ہم نے کشمیری لڑکی سے شادی کر لی ہے تو اسے الہ آباد لے آنا ہی بہتر ہوگا۔ دن گزرتے رہے برکت کی بیوی کو ہارٹ اٹیک پڑا برکت نے اپنے سسر سالے کو ہارٹ اسپتال میں رکنے کو کہا اور دیکھ بھال کے لئے ان لوگوں کو وہاں مقرر کر دیا۔ اپنے ایک ملازم کو دیکھ بھال کے لئے بھی چھوڑ دیا۔ اگلے ہفتہ ہارٹ سرجری ہونی تھی برکت نے کہا ہم دو چار روز کے لئے کاروباری سلسلہ میں ایم پی جا رہے ہیں۔ سرجری کے وقت ہم اسپتال میں موجود رہیں گے۔ آپریشن کا وقت قریب آگیا برکت ڈاکٹر سے ملے اور عاجزی کی ڈاکٹر صاحب مریض کا خیال رکھئے گا۔ آپریشن کے وقت ہی مریضہ کا انتقال ہوگیا۔ کچھ ہی دن بعد برکت کے سسرال والے واپس کشمیر لوٹ گئے گھر میں ویرانی چھا گئی رات کو سوتے وقت رخسانہ کی یاد آگئی رخسانہ کو گئے پانچ سال گزر گئے اگر زندہ ہوتی تو کبھی فون پر بات ضرور کرتی۔ عامر نے اپنی دوکان کو محنت اور لگن سے خوب اچھے پیمانے پر پہونچا دیا۔ وہ دو بچوں کا باپ بھی ہوگیا عامر کی زندگی خوشحالی میں گزرنے لگی عامر نے سوچا الہ آباد کی ٹائر ٹیوب فیکٹری سے کانپور کے لئے ایجنسی لے لیں اور وہ الہ آباد پہونچ کر فیکٹری کے منیجر سے ملا منیجر نے کہا کہ ایک لاکھ روپئے کا ڈرافٹ بنوا کر جمع کر دو یہ رقم تمہاری سیکورٹی میں پڑی رہے گی عامر تیار ہوگیا۔ دوسرے دن وہ ایک لاکھ روپئے کا ڈرافٹ منیجر کے ہاتھ میں رکھ کر بولا آپ ہی میری دوکان کا افتتاح کریں۔ منیجر نے مالک برکت سے بات کی اگلے ہفتہ کا وقت مقرر ہوا اور دوپہر دو بجے منیجر اپنی کار سے کانپور آگئے دوکان کا افتتاح ہوا دوکان میں شہر کے جانے مانے لوگ جمع تھے۔ عامر کی بیوی رخسانہ بھی

اپنے دونوں بچوں کے ساتھ افتتاح میں شریک تھی منیجر نے رخسانہ کو پہچان لیا۔ منیجر فوراً دوکان سے باہر آکر برکت سے بتانے لگا کہ تمہاری بیٹی رخسانہ عامر کی دوکان کے افتتاح میں شریک ہے اس کے ساتھ دو بچے بھی ہیں۔ برکت بولے تم رخسانہ پر نگاہ رکھو معلومات حاصل کرو میں کانپور کے لئے نکل رہا ہوں۔ شام ہوتے ہوتے برکت کانپور پہونچ گیا۔ تھوڑی دور پہلے ہی گاڑی روک کر منیجر کو فون کر کے بلایا منیجر نے کہا دوکان کا افتتاح عامر نے کرایا ہے جو کہ چمن گنج میں مقیم ہے۔ ہم اس کی بیوی سے مخاطب ہوئے ہم نے اس کا نام پوچھا تو اس نے اپنا نام رخسانہ بتایا یہ بھی بتایا کہ عامر میرے شوہر ہیں اور یہ دونوں بچے میرے ہیں۔ برکت منیجر سے بولے تم عامر کو یہاں میرے پاس بلا لاؤ۔ تب عامر کو اپنی کار کی سیٹ میں بغل میں بٹھا کر رخسانہ کے بارے میں معلومات کرنے لگے۔ عامر نے صاف صاف پچھلی باتوں کا ذکر کیا اور عامر بولے رخسانہ سے میں نے شادی کر لی ہے۔ یہ دونوں بچے میرے ہیں۔ عامر کے چہرے پر گھبراہٹ کے نقوش نمایاں تھے کہ فیکٹری کے مالک رخسانہ کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں۔ برکت عامر سے بولے تم مجھے اپنی دوکان لے چلو دوکان پہونچتے ہی برکت نے رخسانہ کی گود سے بچے کو لے لیا رخسانہ اپنے والد برکت کو دیکھ کر لپٹ کر رونے لگی۔ پاپا مجھے آپ معاف کر دیجئے۔ برکت بولے بیٹا اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ لوگ ناسمجھی اور سمجھداری سے بھی غلط کام کر بیٹھتے ہیں ارے اللہ کی نگاہ میں کتنے لوگ غلط کام کرتے ہیں مگر اللہ ان کو زندہ رکھے ہے اور روزی بھی دیتا ہے۔ اگر بندہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر معافی مانگتا ہے اور پھر غلط کام نہ کرے تو اللہ اس کی غلطی کو معاف کر دیتا ہے۔ پھر بندے کو بندے کی غلطی معاف کرنا ہی چاہئے۔ بیٹا رخسانہ تم کو تو فون کرنا ہی چاہئے تھا ہم تمہارے

بغیر کتنے پریشان تھے برکت دوسرے بچے کا ہاتھ پکڑ کر عامر سے بولے دوکان بند کردو اور خود کار کے پاس آگئے۔ برکت نے کہا کہ کار میں بیٹھو ہم الہ آباد چل رہے ہیں۔ عامر بولا ہم لوگ یہاں بہت ہی خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔ منیجر نے عامر سے کہا کار میں بیٹھ جاؤ سبھی لوگ کار میں الہ آباد کے لئے روانہ ہوگئے۔ برکت عامر سے مخاطب ہوکر بولے بیٹا یہ تمہارا ہی گھر ہے میری ساری جائیداد تمہاری ہے اب تم دونوں کی ذمہ داری ہے مجھے کوئی تکلیف نہ دینا۔ صبح وکیل کو بلا کر وصیت نامہ لکھ دیا۔ پھر عامر کو اپنے ساتھ فیکٹری لے گئے وہاں سب سے تعارف کرایا۔ عامر کے کندھوں پر کاروباری ذمہ داری ڈال دی۔ کانپور والی دوکان پر فیکٹری کی طرف سے ایک سیلس مین بیٹھا دیا گیا۔ دن بہت ہی خوشگوار ماحول میں گزرنے لگے۔ برکت نے حج کا فارم بھر دیا اور عامر سے بولے۔ ”بیٹا بچے کھچے دن ہم اپنا متاع آخرت کے اضافے میں صرف کریں گے“۔

خوشی کے ہیں آنسو کہ اشکِ ندامت
کہیں پے ہے رقبت کہیں پے عداوت
یہ ہے آئینہ وقت کا آج فیروز
جھکاتی ہے اولاد کی محبت

☆☆☆

حادثہ

لکھنؤ میں شاہ اور گلناز نے بی ایس سی بایولوجی میں اسی سال داخلہ لیا۔ شاہد اناؤ سے آیا تھا جب کہ گلناز ضلع بلرامپور سے انٹرمیڈیٹ پاس کر کے مزید تعلیم کے لئے لکھنؤ آئی تھی اور اپنی خالہ کے پاس رہتی تھی۔ گلناز کے والدین کی مرضی اسے آگے پڑھانے کی نہیں تھی مگر گلناز کے شوق کو دیکھتے ہوئے اس کی ضد مان کر مزید تعلیم کے لئے لکھنؤ بھیج دیا۔

شاہد اور گلناز اکثر ساتھ ساتھ پریکٹیکل کرتے لائبریری میں ساتھ ساتھ اسٹڈی کرتے۔ کبھی کبھی پارکوں میں ٹہلنے نکل جاتے۔ گلناز کے حسن اور اس کے مزاج سے شاہد بہت مرعوب تھا ایک دن شاہد نے اپنی محبت کا اظہار کر دیا اور ڈاکٹر بننے کے بعد اس سے شادی کرنے کا وعدہ کر لیا۔ گلناز ہنستے ہوئے بولی۔

"یار کل کیا ہوگا۔ کوئی نہیں جانتا۔ اتنے سال پہلے سے کوئی پلاننگ نہیں کرنی چاہئے۔ جب شادی کا وقت آئے گا تب سوچا جائے گا"۔

گلناز اسٹیج شو اور کالج کے ہر پروگرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔ اس کے حسن اور پرکشش آواز پر کالج کے بہت سارے لڑکے دیوانے تھے مگر گلناز کسی کو بھی لفٹ نہیں دیتی تھی۔

ایک دن کالج سے لوٹتے ہوئے گلناز کو دیر ہوگئی۔ دوسرے دن ہونے والے سالانہ پروگرام کی پریکٹس کرتے ہوئے اسے دیر ہوگئی تھی۔ وہ کالج کے باہر

کھڑی آٹو رکشہ کا انتظار کر رہی تھی۔

اسی وقت ایک کار اس کے بغل میں کھڑی ہوگئی اس میں نشہ میں دھت کچھ لڑکے تھے انھیں میں سے ایک لڑکے نے کار کا دروازہ کھول کر گلناز کو اندر گھسیٹ لیا۔ پاس سے گزرنے والے ایک اخبار والے نے سارے واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن جب تک وہ کار تک پہونچ پاتا کار آگے بڑھ گئی۔

دوسرے دن اخباروں میں لڑکی کے اغوا کی خبریں شائع ہوئیں مگر نام کسی کو معلوم نہ تھا۔ ادھر گلناز کا کچھ پتہ نہ تھا وہ کالج نہیں آرہی تھی۔ شاہد کو کچھ شک ہوا وہ گلناز کی خالہ سے گلناز کے بارے میں پوچھنے گیا۔ انھوں نے بتایا کہ گلناز کی امی بیمار ہوگئیں تھیں اس لئے وہ اچانک گاؤں چلی گئی ہے۔ دھیرے دھیرے سب گلناز کو بھول گئے۔ مگر شاہد اپنے ذہن سے اس کی یاد نہ مٹا سکا۔

شاہد نے پی ایم ٹی کا فارم بھرا۔اور امتحان میں اسے کامیابی ملی۔ کاؤنسلنگ میں اسے جھانسی میڈیکل کالج ملا۔وہاں سے ایم بی ایس کرنے کے بعد اس نے نوکری کے لئے فارم بھرا۔ اسے کانپور کے ایک اسپتال میں نوکری مل گئی۔

شاہد اپنے والدین کے ساتھ ایک شادی میں شرکت کرنے لال گنج دھرم شالہ پہونچے۔وہاں شاہد کے والد کے ایک قریبی دوست کی بیٹی کی شادی تھی۔ شام کو بارات آگئی۔شاہد کے والد کے ساتھ ساتھ سب ہی لوگوں نے ان کا استقبال کیا۔شام کو نکاح کی رسم ہونے والی تھی۔قاضی جی آگئے۔اسی وقت دولہا کے والد نے کار کی مانگ کر دی۔دونوں فریقین میں بحث ہونے لگی۔لڑکے والوں نے کہا۔

”اب تو جہیز میں کار دینا ایک عام بات ہے“۔

شاہد کے والد سمجھانے لگے۔ ''اسلام میں شادی کی تاریخ پر یا بعد میں لین دین کرنا نامناسب قرار دیا گیا ہے۔ پرانی روایت میں تو لڑکی والوں کی شادی کا سارا خرچ لڑکے والے ہی دیا کرتے تھے اور میں نے تو سنا ہے آج بھی لڑکے والے دولہن کے گھر والوں کو شادی میں ہوئے سارے خرچ کی ادائیگی کرتے ہیں ''۔

اسی وقت دولہا کے گھر والے بولے۔

'' آپ تو چودہ سو سال پرانی بات کہہ رہے ہیں۔ اب ان باتوں کا کوئی مطلب نہیں رہ گیا ہے ''۔

شاہد کے والد نے جواب دیا۔

'' نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ بھی تو چودہ سال پرانے ہیں پھر ہم کیوں اس پر عمل کرتے ہیں؟ شادی میں کسی بھی طرح کی مانگ کرنا اسلام کے قانون کے خلاف ہے''۔

لڑکے والوں نے کہا۔ '' زبان سے تبلیغ کرنا بہت آسان ہے۔ عمل میں حد سے زیادہ مکار ہیں۔ ان الفاظ سے سب ہی لوگ بھڑک گئے۔

شاہد کے والد نے شاہد سے کہا۔

'' بیٹا اب یہ عزت کا سوال ہے تم اس لڑکی سے نکاح کرلو''۔

شاہد نے حامی بھرلی۔ خوشی خوشی نکاح ہوا۔

رات میں دولہن کو لے کر شاہد اپنے والدین کے ساتھ رخصت ہوئے۔ راستے میں شاہد کے والد نے کہا۔

'' واقعی جوڑے اللہ پاک ہی بناتے ہیں''۔

شاہد کی زندگی خوشگوار گزر رہی تھی۔ اس کی بیوی بہت ہی نیک تھی۔ تین ماہ بعد سے ہی اس کی طبیعت خراب رہنے لگی۔ کانپور کے کئی ڈاکٹروں کا علاج چلا مگر سدھار نہیں ہوا۔ شاہد اسے لے کر سنجے گاندھی اسپتال لکھنؤ لے گئے۔ وہاں جانچوں کے بعد معلوم ہوا کہ شاہد کی بیوی کو لیور کینسر ہے۔ شاہد نے ہر ممکن کوشش کی مگر وہ اپنی بیوی کو موت کے منہ سے بچا نہیں سکا۔ شاہد اس کی موت سے نڈھال سا ہو گیا۔

شاہد کا ٹرانسفر بلرامپور ہو گیا خدا نے اس کے ہاتھ میں شفاء دی تھی۔ اس کی چیمبر میں مریضوں کی لائن لگی رہتی تھی۔ اور انھیں مریضوں کے دکھ درد میں وہ اپنی پریشانیوں کو بھلائے رکھتا۔

چار ماہ بعد ایک پی سی او سے گلناز کی ماں کے پاس فون آیا گلناز بہت ہی اداس اور پریشان لہجہ میں بول رہی تھی۔

'' اماں ہم اورئی اسٹیشن سے بول رہے ہیں۔ اماں بتاؤ ہم کیا کریں؟ ندی میں کود کر جان دے دیں۔ میری دنیا تو برباد ہو چکی ہے۔ میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہی''۔

ماں نے اسے دلاسہ دیا۔ '' بیٹی جو کچھ بھی ہوا اس میں تمہاری کوئی خطا نہیں تھی۔ وہ تو ایک حادثہ تھا۔ تم بے فکر رہو۔ ابھی ہم لوگ زندہ ہیں۔ اگر تم آسکتی ہو تو بلرامپور آجاؤ ورنہ وہیں رکو۔ ہم لوگ تمہیں لینے آجائیں گے''۔

گلناز بلرام پور کے لئے چل دی۔ اسٹیشن پر اس کے والدین موجود تھے۔ وہ دونوں سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ ماں نے اسے سہارا دیا اور بولی۔

''بیٹی، تم نے بہت اچھا کیا جو ہم لوگوں کو فون کر دیا۔ اب گھر چل کر آرام کرو''۔

گلناز اپنے گاؤں آ گئی لیکن وہ جیسے اندر ہی اندر گھلتی جا رہی تھی، ہنسنا بولنا سب جیسے بھول چکی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر اس کے والدین بہت فکر مند رہتے تھے۔ گلناز کے ابا کی طبیعت خراب رہنے لگی۔ گاؤں کے ڈاکٹروں سے علاج کروایا گیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ پھر سبھی لوگ انھیں ضلع اسپتال بلرام پور لے گئے۔ وہیں شاہد اور گلناز کا سامنا ہوا۔ شاہد سب کو لے کر اپنے چیمبر میں آ گئے وہاں انھوں نے گلناز کے والد کی جانچ کی اور خون ٹیسٹ، الٹرا ساؤنڈ کروایا اور پھر دوائیں لکھ کر آرام کا مشورہ دیا۔

دوپہر کو شاہد کو اکیلے دیکھ کر گلناز نے اپنی آپ بیتی صاف صاف الفاظ میں بیان کر دی۔ اور بولی۔ ''شاہد! میں نے اپنے مستقبل کے لئے بہت حسین سپنے بن رکھے تھے لیکن قسمت اور حالات نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔ اب میری باقی زندگی کیسے گزرے گی؟ والدین کا سایہ جب تک میرے سر پر ہے تب تک تو وقت گزر جائے گا مگر ان کے جانے کے بعد بھائی اور بھابھی کیسا سلوک کریں گے؟ وہ مجھے گری ہوئی نظروں سے دیکھیں گے۔ ان کے الفاظ نشتر کی طرح میرے دل کو زخمی کرتے رہیں گے موت کو میں گلے نہیں لگاؤں گی۔ انسان کو وقت کاٹ لینا چاہئے، وقت سے کٹنا نہیں چاہئے''۔ شاہد نے اسے تسلی دی۔ ''گلناز جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا وہ ایک حادثہ تھا۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا''۔

پھر شاہد نے اپنے بارے میں تفصیل سے گلناز کو بتایا اور آخر میں بولا۔ ''گلناز میں نے تم سے محبت کی ہے، اور محبت میں ایسے حادثوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ میں تم سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ تم سب بیتی باتوں کو

فراموش کر کے نئی زندگی کی شروعات کرو۔کل جب تم اپنے والد کے چیک اپ کے لئے آؤ گی تو اپنے فیصلہ کے بارے میں بتا دینا۔اگر تم رضامند ہوگی تو تمہیں میری ایک شرط ماننی ہوگی کہ تم پچھلی باتوں کو بھول جاؤ گی اور کسی کے بھی سامنے اس کا ذکر نہیں کروگی''۔

باہر نکل کر گلناز نے اپنے گھر والوں سے شاہد کا تعارف کرایا۔''یہ ڈاکٹر شاہد ہیں۔لکھنؤ میں بی ایس سی میں میرے کلاس فیلو تھے''۔

والدہ نے کہا۔''بیٹا کسی دن ہمارے گھر آؤ''۔

شام کو گلناز نے اپنی ماں سے شاہد کی باتوں کا ذکر کیا گلناز کی ماں نے اُس کے ابو سے بات کی ۔وہ سب بخوشی اس رشتے کے لئے تیار ہو گئے ۔دوسرے دن گلناز نے شاہد کو اپنے گھر والوں اور اپنی رضامندی ظاہر کردی۔شاہد نے اپنے والدین سے شادی کے لئے تذکرہ کیا۔ایک ہفتہ بعد اناؤ سے چار کاریں شادی کے لئے رسولپور کے لئے چل پڑیں ۔شام کو نکاح ہوا۔دولہن کو رخصت کرا کے سب لوگ اناؤ چلے گئے۔شاہد اور گلناز کے چہرے کی مسکراہٹ لوٹ آئی۔

محبت میں مت حادثوں سے ڈرو
محبت کا اظہار بھی مت کرو
پلٹ دو مخالف کے رُخ کو فروزؔ
بنامِ محبت جیو اور مرو

☆☆☆

Aur Shama Jalti Rahi
By
Firoz Malik Balrampuri

فیروز ملک بلرامپوری

Printed At: Nomani Printing Press, Lucknow. Mobile: 9794593055